کتنی بار کہا جائے

کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری درج کیا کیجئے، آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کی اس فروگزاشت سے دفتر کو کتنی تکلیف اُٹھانا پڑتی ہے — آپ کا نمبر خریداری ہر مہینے پتہ کی چٹ پر بائیں طرف درج ہوتا ہے۔ اسے کسی جگہ نوٹ کر لیجئے، کیا یہ کوئی بڑا مشکل کام ہے۔

منیجر

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ

نگراں : نیاز فتحپوری

ادارہ : مجدد نیازی
شوکت جہاں

جلد ۴۶	فہرست مضامین جولائی سنہ ۱۹۴۴ء	شمارہ ۱

ملاحظات ---------- ۲
جدید ترکی صحیح روشنی میں ---------- رفیع اللہ خاں ---------- ۴
ایک قیمتی شعر ---------- شیخ علی حسن ---------- ۱۶
پیغمبروں کے لطایف ---------- ۲۱
بلقان پر روس کے آیندہ اثرات ---------- ۲۷
جوتے ---------- شنکر سروپ بھٹناگر ایم۔اے ---------- ۳۰
مالہ وماعلیہ ---------- ۳۶
چین کے موجودہ اقتصادی مشکلات ---------- ۴۲
باب الاستفسار ---------- ۴۵
باب المراسلہ والمناظرہ ---------- یگانہ چنگیزی ---------- ۵۱
خلافت الٰہی (نظم) ---------- ماہر القادری ---------- ۵۲

پرچہ نہ پہنچنے کی
اطلاع ہمراہ رسی
بروقت آنا ضروری ہے
منیجر نگار

دُنیا میں کیا اندھیر ہو رہا ہے
اس کا دلچسپ حال معلوم کرنا ہو
تو
"ملک خطا کے شہزادے" پڑھئے
قیمت بارہ آنے علاوہ محصول

اگر آپ اپنے خط کا جواب
لفافہ میں چاہتے ہیں تو ٹکٹ لگا کر
لفافہ بھیجئے ہم آپ کا پتہ تحریر ہو
منیجر نگار

ملاحظات

آیندہ جنوری ۴۵ء کا "نگار"

پچھلی اشاعت میں ظاہر کیا گیا تھا کہ جنوری ۴۵ء کے نگار کے لئے ایک نہایت اہم موضوع میرے پیش نظر ہے، آپ بھی اسے سُن لیجئے:

ہمارے علمار کو عام شکایت ہے کہ اس زمانہ میں الحاد بڑھتا جارہا ہے اور مذہب کی طرف سے غفلت و بے پروائی روز بروز زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ لیکن اس وقت تک نہ انھوں نے اس کے اصل اسباب پر غور کیا اور نہ ان اسباب کے دور کرنے کی کوشش کی

موجودہ دہریت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسوقت تک جو اعتراضات اسلام پر کئے گئے ہیں، ان میں سے اکثر کا جواب نہیں دیا گیا اور چونکہ یہ اعتراضات زیادہ تر ارباب کلیسہ کی طرف سے کئے گئے ہیں، اس لئے مغربی زبانوں کے جاننے والے انکا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور ان سے متاثر ہوکر اسلام کی صداقت کو مشتبہ سمجھنے لگتے ہیں

عرصہ سے میں یہ تمنا اپنے دل میں لئے ہوئے ہوں کہ ملک کے تمام اکابر علماء تک ان اعتراضات کو پہونچا کر اُن سے استدعا کروں کہ وہ ان کے جوابات کی طرف توجہ فرمائیں اور اب اسی خواہش کو عملی صورت دینے کے لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ ان اعتراضات کو آیندہ جنوری کے نگار میں پیش کردوں اور ان کے جو جوابات موصول ہوں انھیں یکجا شایع کرکے بصورت نتیجہ اپنی رائے عرض کردوں

اگر، علماء کرام نے اس طرف توجہ فرمائی جس کا مجھے یقین ہے تو بڑی حد تک دہریت و الحاد کا سدباب ہوجائے گا اور غالباً یہ سب سے بڑی خدمت اسلام کی ہوگی

میں خطوط بھیجکر اس باب میں علماء اسلام سے استمزاج کرتا ہوں، اگر ان میں سے دو چار بھی جواب دینے کے لئے آمادہ ہوگئے، تو میں اس تجویز کو عملی صورت میں لے آؤں گا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا، جس کا مجھے بہت افسوس ہوگا، تو میں پھر کچھ اور تجاویز پیش کرکے قارئین نگار سے دریافت کروں گا کہ آیندہ جنوری کے لئے وہ کس تجویز کو پسند فرماتے ہیں۔

لڑائی کا حال

روم کا اتحادیوں کے ہاتھ آجانا تو کوئی بڑا کارنامہ نہ تھا، کیونکہ اس کو دشمن نے ایک غیر محفوظ کھلے ہوئے شہر کی حیثیت دیکر، وہاں مقابلہ ہی نہیں کیا، لیکن ساحل فرانس پر نارمنڈی کے علاقہ میں فوجیں اُتار دینا، اس میں شک نہیں اُن کا اتنا زبردست اقدام ہے جس کی کوئی مثال اس وقت تک ان کی طرف سے پیش نہیں ہوئی تھی۔

بحیرہ سے لیکر فرانس کے مغربی سواحل تک یورپ کا وہ حصہ ہے جو بالکل انگلستان کے سامنے واقع ہے اور اسقدر قریب کہ اگر آج رود بار انگلستان خشک ہوجائے تو ایک انسان پیادہ پا بھی یہاں سے وہاں تک بہ آسانی پہونچ سکتا ہے، اس لئے جرمنی کو یقین تھا کہ آیندہ حملہ اسی طرف سے کیا جائے گا، اور اسی لئے اس نے یہاں واقعت کی بڑی زبردست طیاریاں کی تھیں۔ لیکن آخرکار یہ حملہ ہوکر رہا اور اسی طرف جہاں اسے ہونا چاہئے تھا، کیونکہ اگر اتحادی افواج ایک بار فرانس کی سرزمین سے جرمنی کا قدم اکھاڑنے میں کامیاب ہوگئیں، تو پھر اسے برلن تک کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ ملے گی

یہ حملہ ۶ر جون کو ہوا ہے اور آج ۳۰ر جون تک اتحادیوں کو وہاں کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، جسے جرمنی کی شکست کا پیش خیمہ سمجھا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتحادی افواج کا ساحل فرانس پر اُترنا اور اس کے ایک حصہ پر قابض ہوکر جما رہنا ہی بجائے خود کم نتیجہ خیز نہیں

اس حملہ کے حالات مختلف اخباروں کے ذریعہ سے قارئین نگار کو معلوم ہوچکے ہوں گے اور ان کے مطالعہ کے بعد یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ اتحادی فوجیں کتنا نقصان اُٹھانے اور کن کن دشواریوں کا مقابلہ کرنے کے بعد یہاں اُتری ہیں، اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اتحادیوں کا یہ اقدام جنگ کی فیصلہ کن منزل کا آغاز ہے اور بقول مسٹر چرچل اگر اس موسم گرما میں جرمنی کو شکست نہ دیجا سکی، تو آیندہ موسم بہار تک یقیناً صورت حال بالکل بدل جائے گی، کیونکہ اس حملہ کے ساتھ ہی، روس کی سُرخ افواج نے بھی رومانیا، فنلینڈ اور ریاستہائے بالٹک کی طرف پھر بڑھنا شروع کردیا ہے اور اس طرح ہٹلر کی فوجوں پر مشرق و مغرب دونوں طرف سے اتنا سخت دباؤ پڑ رہا ہے کہ وہ عرصہ تک اس کو برداشت نہیں کرسکتا

حیدرآباد کی اُردو کانگرس

ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد اُردو کانگرس کے انعقاد کے لئے بڑی اہم طیاریوں میں مصروف ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ ۲۱ر، ۲۲ر اور ۲۳ر جولائی کو حیدرآباد کا یہ علمی و ادبی اجتماع بہت کامیاب ثابت ہوگا — اس کی شرکت کے لئے ہندوستان کے تمام ادبا، شعراء، ارباب صحافت اور ناشرین کو دعوت دی گئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر کانگرس کی شرکت کے لئے آمادہ ہیں — میں بھی شرکت کا ارادہ رکھتا ہوں اور اگر حالات نامساعد نہ ہوئے تو یہاں سے ۱۸ر جولائی کو روانہ ہوکر ۲۰ر جولائی کو حیدرآباد پہونچوں گا اور ۲۸ر کو واپس آؤں گا۔ ممکن ہے (ضروری نہیں) کہ میری اس غیر حاضری کی وجہ سے اگست کا نگار ہفتہ عشرہ کی تاخیر سے شایع ہو۔

حضرت نیاز کی تصانیف

جمالستان (نیا اڈیشن) کافی اضافہ کے ساتھ صفحات ۴۶۶ قیمت چار روپیہ

نگارستان (نیا اڈیشن) کافی اضافہ کے ساتھ صفحات ۳۴۰ قیمت تین روپیہ

مکتوبات جلد دوم (پہلا اڈیشن) صفحات ۳۲۸ قیمت تین روپیہ

مذہب سلسلۂ مذہبیات کی پہلی چیز قیمت ایک روپیہ

حسن کی عیاریاں اور دوسرے افسانے (پہلا اڈیشن) صفحات قیمت دو روپیہ

پانچوں کتابیں طلب کرنے پر محصول ڈاک ہمارے ذمہ ہوگا۔
منیجر نگار

جدید ترکی صحیح روشنی میں

ابھی نہیں، لیکن ایک وقت ایسا ضرور آئے گا، جب ملوکیت پرستی اور امارت پسندانہ جمہوریت کا سب سے بڑا تاریخی جرم یہ قرار پائے گا کہ انقلاب روس اور انقلاب ترکی کے حالات و نتائج کو انھوں نے کبھی صحیح روشنی میں پیش نہیں کیا۔ ان دونوں حکومتوں کے خلاف جذبات نفرت ابھارنے میں اخلاق، مذہب، سیاست، معاشرت اور معیشت سبھی کو آلۂ کار بنایا گیا، یہاں تک کہ دنیا سمجھنے لگی کہ جدید روس اور جدید ترکی دونوں قدیم وحشت و بربریت کے سوا کچھ نہیں اور دنیا کو یقیناً یہی برابر سمجھایا جاتا اگر خوش قسمتی سے یہ لڑائی نہ چھڑ جاتی اور فاسستی حکومتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جمہوری حکومتوں کو بعض سیاسی مصالح سے دست بردار نہ ہونا پڑتا۔

روس اور روسیوں کی اشتراکیت، اس وقت ہمارا موضوع بحث نہیں، اس لئے ہم اس کے متعلق کوئی تفصیل پیش کرنا نہیں چاہتے، لیکن جدید ترکی کے بابت جن غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے، ان پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم ایک ایسی ہستی کا بیان پیش کرنا چاہتے ہیں، جس سے زیادہ معتبر شہادت وہاں کے حالات کے متعلق کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ یہ ہستی وہاں کی ایک خاتون "فاطمہ رقیہ خلیلی" کی ہے جنھوں نے موجودہ ترکی پر ایک کتاب "Glimpses into madean Turkey" لکھ کر بہت سی تاریکیوں کو دور کر دیا ہے۔ یہ خاتون اس کتاب کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

جب میں پہلے پہل ساحل ہندوستان پر اتری، تو مجھ سے ترکی کی بابت مختلف قسم کے سوالات کئے گئے، مثلاً "کیا ترکی میں سینما گھر ہیں" "کیا ترک روٹی کھاتے ہیں" اور "کیا ترکی عورتیں نماز پڑھتی اور تلاوت قرآن کرتی ہیں" کیا ترکی نے اسلام کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے" "کیا ترک سب بیدین ہیں" "کیا مصطفےٰ کمال نے غصے میں اپنے بعض ماتحتوں کے منہ پر کلام پاک پھینک مارا" اور "کیا واقعی مصطفےٰ کمال نے اعلان کیا کہ اسلام ایک بدکردار عرب کی شریعت ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے کچھ باتیں آرام اسٹرانگ کی کتاب "گرے وولف" سے لی گئی ہیں جو کہ مصطفےٰ کمال کی سوانح عمری ہے لیکن اس کتاب کی لغویت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب جنوری ۱۹۲۷ء میں یہ کتاب انگریزی و فرانسیسی زبانوں میں شایع ہوئی تو اس کا داخلہ خود مصطفےٰ کمال نے ترکی میں بند کر دیا"

محترم خاتون نے اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ دراصل یہ تمام خیالات دنیا میں پھیلائے گئے ہیں، ان کا مقصود صرف یہ تھا کہ ترکی کو اسلامی برادری سے خارج کر دیا جائے اور اسے عامۃ المسلمین کی ہمدردیوں سے محروم کر دیا جائے ورنہ حقیقت بالکل اس کے خلاف ہے۔

قدیم ترکی

دیباچہ کے بعد فاضل خاتون نے موضوع کو مختلف ابواب میں تقسیم کرکے علٰحدہ علٰحدہ گفتگو کی ہے، چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے قدیم ترکی کے حالات پر روشنی ڈالی ہے تاکہ جدید ترکی کا پس منظر سامنے آجائے، ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

سلاطین یا خلفاء ترکی کے زمانہ میں حالت یہ تھی کہ تمام ملک غربت و افلاس کا شکار تھا، کاشتکار جو تھوڑا بہت غلّہ پیدا کرتے تھے وہ ان کی زندگی کے لئے بھی مشکل سے کافی ہوسکتا تھا۔ ریلیں یا دیگر وسایل آمد و رفت مفقود تھے، خلفاء صرف اپنی عیسائی رعایا کو تجارت کی ہر شاخ میں تحفظ و آرام پہونچانے میں مشغول رہتے تھے اور وہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جسے مسلمان تُرک اپنا کہہ کر پکار سکتے۔

مُلّائیت ایک خطرناک اور نہایت زبوں کھیل کھیل رہی تھی۔ مذہب میں اندھی تقلید ہر طرف قیامت بپا کئے ہوئے تھی اور ملاؤں نے اسلام کو کھلونا بنالیا تھا۔ ان کی جاہلانہ مذہبیت اور اس کی سخت گرفت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہاں جانوروں کی قربانی صرف ملاؤں کی پڑھی ہوئی چھُری سے ہوسکتی تھی اور اس دعا کے پڑھنے کی قیمت حسب حیثیت مختلف ہوتی تھی لیکن یہ دو ترکی پونڈ سے کسی حالت میں کم نہ ہوتی تھی اور وہ بھی صرف ایک سال کے لئے تاکہ آیندہ سال پھر کم از کم دو پونڈ انھیں مل سکیں۔ گنڈے تعویذوں کا بھی بڑا زور تھا اور پیر پرستی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ خدا کا خیال بھی لوگوں کے دلوں میں نہ آتا تھا۔ عورت کی حالت یہ تھی کہ وہ محض مال منقولہ سمجھی جاتی تھی اور صرف مرد کے جنسی جذبات پورا کرنے کی چیز۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحبگی عام ہوگئی تھی۔ بردہ فروشی بھی جاری تھی اور غلاموں سے نہایت بیرحمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔

عیش پرست سلاطین نے کبھی اسبات کی کوشش نہیں کی کہ ترک مسلمانوں کی آسانی کے لئے وسایل آمد و رفت پیدا کریں۔ ان لوگوں پر ٹیکس لگائے جاتے تھے مگر صرف اس لئے کہ امراء عیش کریں۔

زمینیں اندھا دھند غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کی جاتی تھیں جو دولت جمع کرنے کے لئے کثیر تعداد میں استنبول آتے رہتے تھے، الغرض کہ ترکی واقعی "یورپ کا مردِ بیمار" تھا اور اس بیماری کا دور کرنے والا کوئی نہ تھا، یہاں تک کہ آخرکار قدرت کے احساس میں جنبش پیدا ہوئی اور سالونیکا میں وہ انسان پیدا ہوا جس نے جدید ترکی کی بنا ڈالی۔

مذہبی اصلاحات

دوسرے باب میں مصطفےٰ کمال کی مذہبی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے فاضل خاتون لکھتی ہیں کہ: جوں ہی جمہوریت کے قدم جم گئے انھوں نے قرآن پاک کا ترکی زبان میں نہایت صحت کے ساتھ ترجمہ کرانے کا کام اپنے ذمے لیا۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے عالمان دین کو بلایا جنھوں نے تین سال کی محنت کے بعد اس ترجمہ کو شایع کیا۔ لیکن یہ ترجمہ اس طرح سے چھاپا گیا ہے کہ بائیں طرف اصلی عربی متن ہے اور داہنی طرف ترکی ترجمہ اور تفاسیر۔ اسی کے ساتھ اسکولوں میں عربی کی تعلیم لازمی کردی گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے طول و عرض میں ہر باشندہ کلام اللہ پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہوگیا۔

چونکہ اس طریق تعلیم سے ملاؤں کے کاروبار کو بہت نقصان پہونچا اس لئے انھوں نے بہت واویلا مچایا اور اس کو بدعت قرار دیکر جمہوریت ترکی کو کافروں کی حکومت ظاہر کرنا شروع کیا۔ ان ملاؤں کا اثر دور کرنے کے لئے جمہوریت نے مسجدوں کے اماموں اور موذنوں کے لئے بھی مدارس قایم کئے، چنانچہ اب ان کا تقرر بھی حکومت ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ کلام مجید کی تعلیم

کو عام کرنے کے لئے ترجمۂ قرآن کی قیمت صرف دو پیسے رکھی گئی اور ملاؤں کے ترجمے ضبط کر لئے گئے۔

ملاؤں نے یہ افواہ بھی اُڑائی کہ ترکی کی مسجدیں یا تو ڈھا دی گئیں یا سینماؤں، قمار خانوں اور ناچ گھروں میں تبدیل کر دی گئیں، لیکن کیا ترکی، جسکے مدرسوں میں بچوں کو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ صفحۂ ارض پر سوائے معبودِ مطلق کے اور کوئی نہیں جس کا خوف کیا جاسکے، یہ کام کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں، کہ مسجد ایا صوفیا کو ضرور عجائب خانہ بنایا گیا۔ لیکن اس کا خاص سبب تھا۔ یہ مسجد جس میں قدیم بچی کاری کا نہایت نفیس کام ہے۔ ترکی میں سب سے پرانی عمارت ہے جو پہلے عیسائی گرجا تھا جب چودھویں صدی میں ترکوں نے اسے فتح کیا تو انھوں نے دیواروں پر پلاستر کرا کے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ بعد کو ڈائرکٹر عجائب خانہ جات نے ترکی کی ہدایات کے زیر اہتمام کئی لاکھ ترکی پونڈ صرف کر کے اس مسجد کی مرمت کی اور تمام مسلمانوں کی متحدہ رائے سے اس کو عجائب خانہ میں تبدیل کیا گیا تاکہ بچی کاری کی وہ نقاشیاں جو تمام دنیا کے لئے باعث حیرت ہیں، مٹنے نہ پائیں۔

اگر آپ ترکی کی مسجدوں میں داخل ہوں گے تو آپ کو چند نمایاں تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ مثلاً آپ کو صفوں کے درمیان ایک فٹ اونچی لکڑی کی آڑ ملے گی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جب لوگ سجدے میں جائیں تو ان کا سر سامنے والے نمازی کے پاؤں سے نہ لگے۔ آج ترکی مساجد میں جوتے کھونے کا کسی کو اندیشہ نہیں۔ دروازہ پر ان کی ہر چیز کی حفاظت کا قابل اطمینان انتظام ہے۔ نماز پڑھنے کے لئے اونی ٹوپیوں کا بھی اہتمام رہتا ہے اور عورتیں بھی روزانہ مسجد میں جاتی ہیں جن کے لئے علٰحدہ جگہ مقرر ہے بلکہ مسجد کا دروازہ بھی ان کے لئے دوسرا ہوتا ہے۔ ترکی میں مسجدوں کی مجموعی تعداد چودہ ہزار چار سو اسّی ہے۔

مزاروں کے دروازے بیشک جمہوریت نے بند کر دئے ہیں تاکہ قبر پرستی ختم کر دی جائے اور قوم جسے صرف خدا پر بھروسہ کرنا سکھایا گیا تھا، کسی اور قوت کو خدا نہ سمجھنے لگے۔

خلافت کے متعلق یہ عام افواہ ہے کہ اتاترک نے خلیفہ اور خلافت دونوں کو ترکی سے نکال دیا، یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن ایسا کیوں کیا گیا، اس کا حال کم لوگوں کو معلوم ہے۔ سلطان وحید الدین کو بیشک ترکی سے نکالا گیا، لیکن ان کے بعد خلافت کا منصب عبدالمجید کو اس شرط پر دیا گیا کہ وہ معاملات سلطنت سے کوئی سروکار نہ رکھیں، مگر عبدالمجید اور ان کے ساتھیوں نے جمہوریت کے خلاف سازش شروع کر دی اور مجبوراً عبدالمجید کو بھی نکالنا پڑا، لیکن خلافت کے قیام کا خیال بدستور باقی رکھا گیا، چنانچہ عبدالمجید کے اخراج کے متعلق جو حکم دیا گیا اس کے الفاظ یہ تھے کہ "خلیفہ کو جلاوطن کیا جائے اور خلافت انتخاب سے ہو لیکن افسوس ہے کہ آج تک کوئی انتخاب نہیں ہوا اور نہ مسلمانوں نے اس کی کوشش کی"۔

خلفاء کے دور حکومت میں جو محافظ دین سمجھے جاتے تھے، عیسائی مشنریوں کو ایسی ایسی مراعات میسر تھیں جن سے اسلام کے بہترین مفاد کو نقصان پہونچتا تھا۔ اور اس لئے جب ان مشنریوں کو ان مراعات سے محروم کر دیا گیا تو انھوں نے جمہوریت ترکی کے خلاف پروپاگنڈا شروع کر دیا۔ اس سے قبل ترکوں کے بچے اکثر مشنری کے اسکولوں میں تعلیم پاتے تھے، لیکن ۱۹۳۱ء میں حکومت نے تمام ترکی بچوں کی تعلیم ترکی مدرسوں میں لازم قرار دی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اسکول جو مشنوں سے متعلق تھے بند ہو گئے۔ غیر اسلامی ادب کے شائع کرنے پر بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ پادریوں اور راہبوں کو عام طور سے راستوں پر اپنے مذہبی لباس پہنکر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی اور مسیح و مریم کی تصویریں آویزاں کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔

جماعتی اصلاحات

مشرق و مغرب دونوں نے اس بات پر تعجب کیا ہے کہ اتاترک کس طرح جاہل ترکوں کے دماغوں میں ایسا فوری انقلاب پیدا کر سکا، لیکن اس کا راز صرف یہ ہے کہ اسلام نے انکو اولوالامر کی اطاعت کرنا سکھایا تھا اور چونکہ انھوں نے یہ جان لیا تھا کہ غازی نے انھیں میدان جنگ میں سرخرو رکھا لہذا اسکی اصلاحات کو خلوص دل سے قبول کرنے میں کوئی پس وپیش نہ کرنا چاہئے، لیڈر کی پیروی کرنا صحیح اسلامی اسپرٹ تھی۔

اب میں ان اصلاحات کا ذکر کرتی ہوں جو ترکی میں طوفان کی طرح رونما ہوئے اور جنھوں نے دنیا بھر میں سنسنی سی پھیلادی۔ شریعت کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ دین ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور دوسرا مذہب جو وقت موقعہ اور حالات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔

ترکوں کی جماعتی زندگی میں پہلی تبدیلی عورتوں کے حالات میں ہوئی میں پہلے ظاہر کر چکی ہوں کہ ترکی میں عورت محض ایک مال منقولہ کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن آج اس کو وہی حقوق حاصل ہیں جو مرد کو۔ اب اسے ذہنی حیثیت سے مرد کے برابر سمجھا جاتا ہے اور ہر میدان عمل اس کے لئے کھلا ہوا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ ترکی آج خاتون ججوں۔ خاتون ڈاکٹروں۔ دندان سازوں ہوابازوں۔ وکیلوں اور بیرسٹروں پر فخر کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس وقت عورتوں کی ایک مستقل فوج بھی انقرہ میں پائی جاتی ہے۔ مگر اس سے کسی کو یہ تصور نہ کر لینا چاہئے کہ عورتوں نے ان خدمات کی وجہ سے اپنے گھروں اور شوہروں کو نظر انداز کر دیا ہے، ہرگز نہیں۔ وہ پوری گھر والی ہے اور پہلے سے بہتر امور خانہ داری انجام دیتی ہے۔

شادی کے باب میں ترکی کی عورت اس قدر محفوظ ہے کہ دنیا کی تمام عورتوں کو اس پر رشک کرنا چاہئے۔ گو ترکی میں طلاق مل سکتی ہے مگر اندراجات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ صورتیں جن میں مرد یا عورت ایک دوسرے کو طلاق دے سکتے ہیں آسان نہیں۔ اسلام بعض صورتوں میں عورت کو بھی شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور آج ترکی میں ہر عورت کو یہ حق حاصل ہے۔ سلاطین کے زمانہ میں عورت کا مرد سے طلاق حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ خواہ اس کے کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں اور اس عمل نے ان کی حالت بہت خراب کر دی تھی لیکن اب جمہوریت نے اس کو مردوں کی برابر اُجرت کا مستحق بنا کر ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ چنانچہ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی طرح عورت کو بھی روزانہ سوا دو روپیہ اُجرت ملتی ہے۔

مسلمان کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت ہے مگر اس اجازت کے ساتھ ایسی پابندیاں ہیں کہ وہ حقیقت میں ممانعت بن جاتی ہے۔ لیکن اب سے قبل ترکی میں اس اجازت کا استعمال بالکل ناجائز طور پر ہوتا تھا اور کسی معمولی آدمی کی وفات کا مطلب تین عورتوں کو باہر سڑک پر نکال دینا ہوتا تھا، جن کے مستقبل کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا۔ اتاترک نے دیکھا کہ جب تک اس اجازت کو بند نہ کیا جائے گا، ترکی عورت کی حالت نہیں سنبھل سکتی، اس لئے اس نے ایک سے زیادہ شادی کرنا بند کر دیا۔ اسی کے ساتھ عورتوں کی آسانی کے لئے اور بھی قوانین نافذ کئے، مثلاً کوئی شخص اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا جب تک ڈاکٹری سارٹیفکٹ اپنی صحت و تندرستی کا نہ پیش کرے۔ اسی طرح عورت کے لئے بھی طبی سارٹیفکٹ حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

ہر ترک کے لئے اپنی شادی کا درج رجسٹر کرانا لازمی ہے۔ اس سے پولیس کو یہ معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ شادی

کرنے والے فریقین کہیں اور کوئی بیویاں یا شوہر تو نہیں رکھتے۔ جب ڈاکٹری سرٹیفکٹ پیش ہوتا ہے تو جمہوریت کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی خطرناک یا متعدی مرض کے مریض کو شادی کرنے سے روک دے۔

پیشہ ور عورتوں کو ایک پاسپورٹ دیا جاتا ہے اور ان کے لئے لازم ہے کہ ہفتہ میں کم از کم تین مرتبہ اپنی صحت کی جانچ کرائیں اور پاسپورٹ پر ڈاکٹر کی رائے ثبت کرائیں اس طریقہ سے جو شخص ان چکلوں میں جاتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح کی عورت سے تعلق کر رہا ہے۔ بیس سال سے کم عمر لڑکوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں کیونکہ ان مقامات پر پولیس ہمیشہ چکر لگاتی رہتی ہے اور لڑکے ان کو دیکھ تک نہیں سکتے۔

وہاں پرائیوٹ قحبہ خانہ جاری کرنا ممنوع ہے اور ذرا سی اطلاع پر پولیس چھاپہ مار کر لوگوں کو گرفتار کر لیتی ہے۔ کوئی ہوٹل والا بھی اپنے کمروں کو ان مقاصد کے لئے کرایہ پر نہیں اٹھا سکتا۔ اس مسئلہ میں ترکی کے متعلق جو کچھ غیر ملکی لوگوں نے ظاہر کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ جو عورتیں استنبول اور دوسرے مقاموں کے اڈوں میں پائی جاتی ہیں وہ سب غیر ملکی ہیں جو ترکی میں آکر اسی مقصد کے لئے سکونت پذیر ہو گئی ہیں ان میں ایک بھی مسلمان عورت نہیں۔

ترکی میں گداگری کی بھی اجازت نہیں ہے اور حکومت نے اس مسئلہ کو مختلف طریقوں سے حل کیا ہے۔ اول تو اس نے لازمی تعلیم رائج کر دی ہے اور اسی کے ساتھ نوجوانوں کو صنعتی تعلیم دلا کر بیروزگاری کو بہت کم کر دیا ہے۔ علاوہ اس کے جو مضبوط و توانا جسم کے لوگ ہیں ان کو فوج میں بھرتی کر دیا جاتا ہے اور جو اس قابل نہیں ہیں، اُن کے لئے خیراتخانے قایم کر دئے ہیں، جہاں ان کو اور ان کی عورتوں اور بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، اور ہر قسم کی طبی و قانونی امداد مفت ملتی ہے۔

غریبوں کے لئے ان خیراتخانوں کے علاوہ سفری شفاخانوں کا بھی بندوبست کیا ہے تاکہ دور دور فاصلوں پر بھی ان کو طبی امداد پہونچ جائے۔ یہ ادارے اس طرح چلائے جاتے ہیں کہ جمہوریت نے زکوٰۃ جمع کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ علاوہ زکوٰۃ کے ہر فرد کو اپنی ماہانہ آمدنی سے ایک فیصدی ٹیکس بھی دینا ہوتا ہے اور اس آمدنی سے تعلیمی اخراجات ادا کئے جاتے ہیں۔ اسوقت وہاں ابتدائی تعلیم بالکل مفت اور لازمی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک ہر طبقہ کا انسان پڑھا لکھا نظر آتا ہے

پردہ کے متعلق ترکی کے رویہ کو بہت بدنام کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ موجودہ ترکی کا خیال ہے کہ عورت کے پردہ کا تعلق بجائے چہرہ کے زیادہ تر اس کے دل سے ہے۔ ترکی میں پردہ اُٹھ جانے سے یہ فایدہ ہوا کہ وہ ہزاروں بدنصیب عورتیں جو قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھیں، آزادی کی سانس لینے لگیں۔ جمہوریت نے اول اول صرف مشورہ و ہدایت سے پردہ ترک کرانا چاہا۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو قانون نافذ کیا گیا، اور اب وہاں کی عورت نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ یہ سب انھیں کی بہتری کے لئے تھا۔

اسی اصلاح کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر آج ترکی جنگ میں شامل ہو جائے تو ایک ایک مرد وہاں کا میدان جنگ میں جا سکتا ہے اور تمام ملکی عہدے ملک کی اقتصادی و صنعتی حالت کو کسی قسم کا خطرہ پہونچائے بغیر عورتیں سنبھال سکتی ہیں۔

بلاشبہ عورتوں کا اکیلا پھرنا اکثر خطرناک ہوتا ہے مگر ترکی میں ایسا نہیں ہے۔ ہر عورت چاہے وہ کتنے ہی کم درجے کی کیوں نہ ہو بلا خوف چل پھر سکتی ہے۔ وہ پولیس کو اطلاع دے دیتی ہے اور فوراً ایک سادہ ملبوس کا پولیس مین ۱۵ فٹ کے فاصلہ سے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ یہ شخص اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ کوئی شخص عورت سے مذاق یا اسپر حملہ نہ کر سکے۔

اب دوسری اصلاحات کو ملاحظہ کیجئے - آج ترکی میں اگر کسی شخص کو سڑک پر تھوکتا ہوا پایا جائے تو فوراً پولیس چوکی پر لیجایا جاتا ہے اور وہاں اسے دو ترکی پونڈ جرمانہ دینا ہوتا ہے - اس قانون سے بہت سی بیماریاں رک گئی ہیں -

دودھ انسان کی نہایت ضروری خوراک ہے - ترکی نے اس مشکل مسئلہ کو یوں حل کیا ہے - کوئی دودھ والا بوتلوں میں یا گھر کے بنائے ہوئے پیپوں میں تقسیم نہیں کرسکتا - اسے اپنا دودھ جمہوریت کی مقررہ دوکانوں پر پیش کرنا ہوتا ہے - یہاں افسر دودھ کو جانچتا ہے اور ایک پیپہ میں رکھ کر سر بمہر کر دیتا ہے - اس پیپے میں کیتلی کی طرح ایک ٹونٹی ہوتی ہے - جس سے دودھ باہر انڈیلا جاتا ہے مگر سیفٹی والو کی وجہ سے اندر کچھ نہیں ڈالا جاسکتا - اس طرح تمام قوم کو تازہ خالص دودھ مہیا ہوجاتا ہے - یہی حال گوشت اور مچھلی کا ہے، کہ پہلے ان کا امتحان کیا جاتا ہے اور افیسر انچارج قیمتیں مقرر کر دیتا ہے اور گوشت اور مچھلی کا بازار ایک مقررہ وقت کے بعد جب اس کے خیال سے مچھلی سڑنے لگتی ہے بند کر دیا جاتا ہے -

پھل ترکی میں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کے متعلق بھی خاص انتظامات ہیں - مثلاً کوئی خوانچہ والا اس طرح پھل نہیں بیچ سکتا کہ اس پر مکھیاں یا کیڑے چھائے ہوئے ہوں، سب لفافوں میں بند ہوتے ہیں - یہی انتظام مٹھائی کا بھی ہے - روٹیوں کے متعلق بھی خاص احتیاط کی جاتی ہے، چنانچہ حکومت وہاں کوئی ایسا تنور قایم نہ رہنے دیگی جہاں آٹا ہاتھوں یا ٹانگوں سے گوندھا جاتا ہو، وہاں یہ سب کام بجلی سے ہوتا ہے - اب سے قبل ترکی کا تقریباً ایک تہائی حصہ ملیریا کی آماجگاہ تھا اور آنکھوں کی ایک نہایت خطرناک بیماری وہاں عام تھی - جمہوریت نے جمہوریت کا اعلان ہونے کے بعد ہی اول ملک کو دق اور ملائیت کی خطرناک بیماریوں سے صاف کرنے کا عزم کیا اور اس کے بعد دوسرے امراض کی طرف توجہ کی - وہاں آنکھوں کی ایک بیماری عام تھی جس میں پپوٹے پر دانے نکل آتے تھے اور اگر اس سے غفلت برتی جائے تو آدمی کو اندھا کر دیتی تھی، جمہوریت نے اس کے خلاف منظم جہاد کیا اور صرف ۱۹۳۲ء میں دس لاکھ سے زیادہ کا باقاعدہ علاج اور پندرہ ہزار سے زیادہ کا آپریشن کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بیماری کم خطرناک ہوگئی اور اندھے پن کے واقعات بہت کم ہوگئے -

ملک کا پانچواں حصہ ملیریا زدہ تھا - جمہوریت نے اس مرض کی بھی جڑ کھود دی، انگورہ جو موجودہ دارالخلافہ ہے یہاں سخت ملیریا ہوتا تھا - مگر آج انگورہ جانے آنے والوں سے پوچھئے کہ وہاں اب کوئی ملیریا سے واقف ہی نہیں - ۱۹۲۸ء میں علاج ملیریا کے سلسلہ میں قانوناً ہر ڈاکٹر پر لازم کیا گیا کہ تین ماہ تک ملیریا کے متعلق تعلیم پائے اور ان علاقوں میں جہاں ملیریا کے کیڑے اور مچھر موجود تھے، سیکڑوں شفاخانے قایم کر کے اس مصیبت سے ملک کو نجات دلائی -

جمہوریت نے یہ بھی حکم دیا کہ تمام دلدلیں اور رکا ہوا پانی خشک کیا جائے، اسی کے ساتھ مچھروں کو تیل چھڑک کر مارنا لازم کیا گیا - ان احکامات کی خلاف ورزی قابل سزا تھی - اس سے ظاہر ہے کہ حکومت اپنے ملک کو ان آفات سے بچانے کا عزم مصمم کر چکی تھی اور اس نے رعایا کو اس جہاد میں کمزوری دکھانے کی بھی سزا دی -

تعلیمی اصلاحات

جمہوریت نے جس رفتار سے تعلیمی اصلاحات کو رائج کیا وہ یقیناً حیرتناک ہے - سلاطین کے دور میں تعلیم عیسائی مشنریوں کے ہاتھ میں تھی جو قومی تعلیم دینے کے بجائے عیسائی بنانے کی طرف زیادہ توجہ دیتی تھیں - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی زبان اور اسلام کو کافی نقصان پہونچا -

ظاہر ہے کہ جمہوریت کے سامنے نہایت دشوار کام تھا اور اکثر ماہرین تعلیم نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے

کہ ترکی اس قدر کم مائیگی کے باوجود بیس سال کی قلیل مدت میں اتنے اسکول اور کالج کس طرح جاری کر سکا۔ یہ صحیح ہے کہ مالی اعتبار سے ترکی دوسری قوموں کے مقابلہ میں کمزور ہے مگر دولتمند ترکوں کے بے نظیر اتحاد عمل کی وجہ سے تمام تعلیمی تجاویز کامیاب ہوئیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کچھ صدی پہلے مسلمان نہایت خوش حال تھے اور یہ حالت اسوقت تک قایم رہی جب تک زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا صحیح تصرف کا کام ایمانداری سے ہوتا رہا۔ اب ترکی نے پھر اسی اُصول پر عمل شروع کیا ہے۔ اور وہ اس ٹیکس کو اس قدر صحت سے وصول کرتی ہے کہ غربت بہت کم ہوگئی ہے اور ایسی اخوت قایم ہوگئی ہے کہ اسوقت ترکی میں امیر و غریب کا کوئی سوال نہیں۔

جمہوریت نے ہر اسکول میں عربی تعلیم لازمی کردی ہے اور یہ بڑی حد تک قرآن پاک کے صحیح استعمال کا سبب ہوا ہے۔ مکمل ابتدائی تعلیم تمام رعایا کو بالکل مفت دیجاتی ہے جو لازمی ہے۔ ترکی میں بے پڑھا ہونا مستوجب سزا ہے۔ جب دو تین سال کی تنبیہ کے بعد تعلیمی قانون پاس کیا گیا تو بوڑھے مردوں اور عورتوں کا کاغذ، کتاب اور پنسل سنبھالنے کا نظارہ واقعی قابل دید تھا۔ قوم کو متاثر کرنے کے لئے کارخانوں میں بے پڑھوں کے ملازم رکھنے کی ممانعت کا قانون پاس کیا گیا اور اس قانون کی خلاف ورزی کی سزا تین سو ترکی پونڈ تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پبلک کتب خانوں کے ذریعہ سے جو جمہوریت نے اس مقصد کیلئے بنائے ہیں یہ سلسلہ برابر جاری رکھا جاتا ہے۔ جمہوریت نے پہلا قدم معمر لوگوں کے خلاف نہیں بلکہ نوجوانوں کے خلاف اُٹھایا اور تمام ملک میں جہاں کہیں جوہر قابل نظر آیا اس کے لئے بیرون ملک تعلیم پانے کے لئے تمام ممکن آسانیاں اور سہولتیں بہم کی گئیں۔ محکمۂ تعلیم کو پہلی دشواری کسانوں کے بچوں کی بابت اُٹھانی پڑی، جن کے مکان اور کھیت اسکولوں سے میلوں دور تھے۔ مگر اس دشواری کو جلد دور کر دیا گیا۔ علاوہ تعلیم کے ان لڑکوں کو مفت کھانا بھی دیا جاتا تھا۔ اس سے انکے والدین پر خاطر خواہ اثر ہوا اور انھوں نے اپنے سب بچوں کو مدرسہ بھیج دیا۔

زبان کی اصلاح جو اتاترک نے کی وہ ترکی کی نئی قومیت کا نزالا نتیجہ تھی۔ اس کا مقصد تمام فارسی اور عربی الفاظ کی بجائے، جو روزمرہ کی ترکی میں شامل تھے مناسب و موزوں ترکی الفاظ مہیا کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے ایک سرکاری لغت چھاپا گیا اور اخبارات کو وقتاً فوقتاً اس کے اقتباسات شایع کرنے پر مجبور کیا گیا۔

اب آیئے لڑکے اور لڑکیوں کے مدرسوں کی سیر کیجئے ——— ان مدرسوں میں پہلی چیز جو ہمیں نظر آتی ہے وہ لڑکوں کی سادگی ہے، لمبے اور فیشن ایبل بال رکھنے اور نہایت عمدہ شکن دار پتلون پہننے کی اسکول میں ممانعت ہے۔ البتہ صاف ستھرا لباس استعمال کرنا ضروری ہے اور یہ بھی کوشش کی جاتی ہے کہ لڑکے زیادہ تر بورڈنگ میں رہیں۔ نصاب بہت سادہ ہے، اس میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں جو نوجوان کے لئے بار ہو۔ ترکی تاریخ کی کتابوں میں صرف سچے واقعات درج ہوتے ہیں اور غلط تاریخ کی کتاب اسکول کی عمارت میں آنہیں سکتی۔ ان زبانوں پر جو بعد کو زندگی میں کام آتی ہیں بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس لئے ہر سال میں متعلم کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ تین ماہ کی تعطیل میں طیاری کر کے اگلے درجے میں داخل ہو سکے اور لڑکا تھوڑی ہی عمر میں وہ پیشہ سنبھال سکے جس کے لئے وہ موزوں ہے۔

جسمانی تربیت لازمی ہے اور اس کے ذمہ دار تربیت یافتہ اُستاد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت توانا و تندرست نوجوان تمام ملک میں پیدا ہو رہے ہیں۔

اسکولوں میں لڑکوں کو آداب معاشرت کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ مشرق میں اس طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لڑکے جوان ہونے پر خود کو نہیں سنبھال سکتے، انھیں آداب نشست و برخاست معلوم ہوتے ہیں اور نہ یہ کہ عورت سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ ترکی میں آداب مجلس پر بہت زور دیا جاتا ہے اور علاوہ اسکول کے متمول والدین اپنے بچوں کے لئے اسکے واسطے نجی اُستاد بھی رکھتے ہیں۔ جمہوریت ہر ممکن کوشش حقیقی انسانوں کے پیدا کرنے کی کر رہی ہے تاکہ وہ دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔ جو ملک کے حقیقی محافظ ہوں۔ اسکول کے ارباب حل وعقد سوشل مجمعوں کا انتظام وانصرام لڑکوں کے سپرد کرتے ہیں تاکہ وہ عملاً آداب مجلس سے واقفیت حاصل کریں۔ علاوہ ان ضیافتوں کے بچوں کو ملک کے تمام مشہور مقامات کی سیر بھی کرائی جاتی ہے۔ ترکی کا جغرافیہ لڑکے کے دماغ میں اس قدر بھر دیا جاتا ہے کہ ہر لڑکا ملک کے تمام راستوں سے واقف ہو جاتا ہے اس طرز تعلیم سے لڑکے ملک کی حفاظت کے لئے طیار ہو جاتے ہیں تاکہ اگر کبھی انھیں کسی مہم کی سرکردگی سپرد ہو یا ملک میں سے فوج لیجانی پڑے تو وہ بآسانی تمام اپنے فرض کو انجام دیں۔

ہر سال طالبعلموں کا ایک گروہ چنا جاتا ہے اور اسے بیرونی ممالک میں مزید مطالعہ کے لئے نہایت سخت ہدایتوں کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ یہ طالبعلم سرکاری خرچ سے جاتے ہیں اور واپسی پر ان کو ملازمت کا یقین دلا دیا جاتا ہے۔ ان طالبعلموں کے انتخاب میں نسل وخون کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا بلکہ صرف ذہنی استعداد کا خیال کیا جاتا ہے۔

تازہ پاس شدہ ڈاکٹروں کے لئے ترکی میں یہ دستور ہے کہ وہ کم ازکم تین سال تک کسی اسپتال میں عملی کام کریں اور اس طرح کوئی نیم حکیم خطرۂ جان اس ملک میں ہرگز کام نہیں کر سکتا۔ جب کوئی ڈاکٹر شہرت حاصل کرنے لگتا ہے تو حکومت اس سے درخواست کرتی ہے کہ ہفتہ میں کم ازکم دو گھنٹے کسی اسپتال میں صرف کرے تاکہ غربا بھی مفت مشورہ حاصل کرنے کے موقع سے فایدہ اُٹھا سکیں۔ یہی مطالبات وکیلوں اور بیرسٹروں سے بھی کئے جاتے ہیں جنھیں سال میں کم ازکم تین مقدمے غریبوں کے بلا فیس کرنے پڑتے ہیں۔ ان مقدموں میں اسٹامپ کی قیمت جمہوریت ادا کرتی ہے۔

تعلیم کی یہ فراوانی دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہاں بھی پڑھے لکھے لوگ اکثر بیکار ہوں گے۔ مگر ترکی میں زراعتی وصنعتی ترقی کی وجہ سے یہ دشواری پیدا نہیں ہوئی۔ جمہوریت اسبات کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے کہ تعلیمگاہوں سے نکلے ہوئے لوگ تجارت میں کھپ جائیں۔

علاوہ لازمی ابتدائی تعلیم اور جسمانی تربیت کے ترکی نوجوان کو تین سال فوجی تربیت حاصل کرنا لازم ہے۔ ملیٹری سائنس یونیورسٹی میں لازمی مضمون ہے۔ فوجی تربیت جو یونیورسٹیوں میں دیجاتی ہے وہ اتنی مکمل ہوتی ہے کہ تین سال کے بعد لڑکا مکمل سپاہی بن کر نکلتا ہے۔

وہاں کی فوجی تربیت اور ڈسپلن نہایت زبردست ہے اور کوئی ملک بہادری میں ترکی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اکھڑ اور غیر معمولی جرأت والا جاپانی سپاہی بھی ترکی سپاہی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پولیس میں بھی تعلیمی اصلاحات جاری کی گئی ہیں، چنانچہ وہاں آپ کو ایسا کوئی سپاہی نہ ملے گا جو کم ازکم تین زبانیں نہ جانتا ہو اسی لئے وہاں پولیس والوں سے بات چیت میں کبھی دقت نہ ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ تم بھی برِاعظم کی زبانوں میں سے کوئی زبان جانتے ہو۔ پولیس والے نہایت خوش اخلاق ہوتے ہیں اور غیر ملکیوں سے نہایت نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ترکی پولیس کی بڑی خصوصیت

یہ ہے کہ وہاں کبھی رشوت کا کوئی معاملہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ باوردی پولیس والے یا فوجی سپاہی کو سینما یا پبلک قہوہ خانے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اگر وہ ایسا کرنا چاہیں تو انھیں شریف شہریوں کے کپڑے بدلنے پڑیں گے۔

اب آیئے لڑکیوں کے مدرسہ کی سیر کیجیے:۔ لڑکیوں کے مدرسے میں کسی کو پوڈر، پالش، برش، یا غازہ کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں انتہائی سادگی ہے۔ ہر نوجوان لڑکی کو سینا اور کھانا پکانا سیکھنا پڑتا ہے اور جسمانی تربیت لازمی ہے اور ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ عورتیں جسمانی لحاظ سے مضبوط اور مستعد ہوں۔ وہاں تیمارداری بھی سکھائی جاتی ہے اور فرسٹ ایڈ کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔

تعلیمی شعبہ جات کے سب دروازے ترکی عورتوں کے واسطے کھلے ہوئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ترکی خاتون ہوابازوں۔ ڈاکٹروں۔ ایڈوکیٹوں۔ بیرسٹروں۔ دندان سازوں اور وزیروں پر فخر کرسکتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹروں کی اتنی کثرت ہے کہ جنگی خدمت کی پہلی ہی پکار پر کم سے کم ۲۵۰۰ عورتوں نے اپنے نام پیش کر دئے۔ وہاں زنانہ پولیس کی بھی ایک خاص جماعت قایم ہے۔ عورتوں کو زراعت۔ صنعت اور تجارت کے محکموں میں بھی تعلیم دیجاتی ہے تاکہ اگر ترکی کو جنگ میں شامل ہونا پڑے تو ملک کی صنعتی اور اقتصادی حالت کو کسی طرح نقصان نہ ہو۔ لڑکوں کے مدرسوں کی طرح لڑکیوں کے مدرسے بھی اپنی سوشل تقریبوں کا انتظام کرتے ہیں جن میں آداب معاشرت اور جماعتی انتظامات کی تربیت دیجاتی ہے تاکہ لڑکیاں آیندہ زندگی میں شوہروں کے گھروں اور اُن کے دوستوں اور مہمانوں کا انتظام کرنا سیکھ جائیں۔ اکثر کھانے پکانے کے مقابلے بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں اور سندیں بھی دیجاتی ہیں۔

قبل اس کے کہ میں یہ گفتگو ختم کردوں، مجھے ترکی کے ان لڑکوں اور لڑکیوں کے اداروں کے متعلق ایک بات اور کہنی ہے اور وہ یہ کہ ہر بچے کو پہلے یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ روئے زمین پر سوائے اللہ جلّ شانہ کے اور کوئی نہیں جس کا خوف کیا جائے اور یہ کہ پہلے خدائے برتر کی محبت ہونی چاہئے پھر وطن کی۔ اس طرح سے جمہوریت نے ہر بچّہ کی رگوں میں قومی اسپرٹ بھر دی ہے اور آج وہاں کا ہر فرد اپنے ملک کی خاطر لڑنے اور مرنے کو طیار رہتا ہے۔

زرعی و صنعتی انقلاب

ترکی زراعتی ملک ہے اور اس کی زمین نہایت زرخیز ہے چنانچہ مذہبی اور اجتماعی انقلابات کے ساتھ ساتھ اتاترک نے ترکی کی زرعی زندگی میں بھی تبدیلیاں کیں۔ انھوں نے انگورہ میں ماڈل فارم قایم کئے جہاں اپنی فرصت کے اوقات میں وہ معمولی کسان کی طرح کام کرتے تھے اور رفتہ رفتہ اس کو اتنی ترقی دی کہ انگورہ آج ایک بہترین زراعتی ادارہ ہونے پر فخر کرسکتا ہے۔ یہاں زراعتی کالج بھی جاری کر دئے گئے ہیں۔ جہاں مفت تعلیم ہوتی ہے اور غیر ملکی طالبعلموں کو بھی دعوت دیجاتی ہے۔

سگرٹ بنانے کی تقریباً ۵ فیکٹریاں اور ۵ کارخانے ہیں۔ مرد عورت دونوں یہاں کام کرتے ہیں اور ان کی اوسط اُجرت سوا دو روپیہ روزانہ ہے۔

یہاں کے تمام کارخانوں میں ایک بیمار فنڈ ہوتا ہے، ہر ملازم اس میں اپنی اُجرت کا دو فیصدی ادا کرتا ہے اور فیکٹری ایک فیصدی چندہ دیتی ہے۔ بیماری کے پہلے مہینے میں فنڈ سے آدھی تنخواہ دیجاتی ہے اور دوسرے اور چوتھے ماہ میں ایک چوتھائی۔ جس عورت کے بچّہ ہوتا ہے وہ پوری اُجرت پر ایک ماہ کے آرام کی مستحق ہوتی ہے اور مزید تین ماہ کی رخصت آدھی تنخواہ

پر لے سکتی ہے۔

۱۵ سال سے کم عمر میں کام کرنے کی اجازت نہیں اور جن فیکٹریوں میں بچے ملازم پائے جاتے ہیں ان پر مقدمہ چلایا جاتا ہے اور انھیں ۵۰۰ ترکی پونڈ جرمانہ دینا ہوتا ہے۔ مرد اور عورت مزدوروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ مرد کی برابر کام کرے تو وہی اُجرت عورت کو بھی دیجاتی ہے۔

گیہوں غلّہ میں گیہوں کا درجہ سب سے آگے ہے۔ یہ وسطی اور غربی اناطولیہ میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ سلاطین کے زمانے میں گیہوں کی پیداوار سے غفلت برتی جاتی تھی۔ جمہوریت نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے اور گیہوں کی قسم بھی اچھی کر دی ہے۔ اس نے بیج کی جانچ کے ادارے مقرر کر دئے ہیں اور کسانوں کو صرف ترقی یافتہ قسمیں اُگانے کی اجازت ہے۔ مغربی اناطولیہ آج اپنے لئے کافی غلّہ پیدا کر لیتا ہے۔ مگر وسطی ترکی سے گیہوں کی بڑی مقدار میں برآمد ہوتی ہے صرف ایک قونیہ کے ریلوے اسٹیشن سے جو کہ وسط میں واقع ہے ساڑھے چھ لاکھ من گیہوں سالانہ گزرتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں گیہوں کی فصل ۴ کرور من ہوئی مگر ۱۹۳۷ء میں وہ ۹ کرور ۲۰ لاکھ من ہوئی مگر ۱۹۳۸ء میں وہ ۷ کرور ۲۰ لاکھ من تک جا پہونچی۔ کل گیہوں کی فصل کی سالانہ قیمت کا اندازہ بیس کرور روپئے ہے۔ اس پر بھی جمہوریت کی یہ کوشش ہے کہ پیداوار میں اور ترقی ہو اور ترکی کو مطلق اپنا ہی بھروسہ ہو۔

کپاس روئی بھی یہاں کی خاص پیداوار ہے اور اس کو بھی بڑی ترقی دیگئی ہے، شروع شروع میں تقریباً ۵ فیصدی (تین چوتھائی) پیداوار چھوٹے ریشے والی تھی مگر حال میں امریکن لمبے ریشے والی کپاس جاری کی گئی ہے۔ جب امریکن کپاس ملک میں شروع کی گئی تو کسانوں کو کم از کم اس کا ۲۰ لاکھ ٹن بیج یا تو مفت تقسیم کیا گیا یا پرانے بیج کے بدلے میں دیا گیا۔ موجودہ کل پیداوار ۱۲ کرور ۶۰ لاکھ پونڈ ہے۔ اس پیداوار کا تقریباً نوّے فیصدی ترکی ملوں میں صرف ہو جاتا ہے۔ ترکی ایشیا ریشم پیدا کرنے میں بھی خاص درجہ رکھتا ہے اور جمہوریت نے اس کو بھی بڑی ترقی دی ہے۔

جنگل ترکی کے کل رقبہ کا دس فیصدی سے زیادہ جنگل ہے۔ سب جنگل سرکار کی ملکیت ہیں۔ انناس، اخروٹ اور شاہ بلوط بکثرت ہیں۔ ترکی عمارتی لکڑی۔ تعمیر جہاز بنانے اور ایندھن کے کام میں آتی ہے۔ جنگلات نہایت سائنٹفک طریق پر رکھے جاتے ہیں۔

پھل پھلوں کے کاروبار میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے یہ ترکی کے (بحر روم) والے علاقے کا اہم کاروبار ہے۔ انگور اگانے کی طرف آجکل خاص توجہ دیجا رہی ہے۔ سمرنا کے خشک انگور (کشمش) بڑی مقداروں میں یوروپ بھیجے جاتے ہیں اور انجیر بھی باہر بھیجے جاتے ہیں۔ سخت چھلکے والے پھل بحر اسود کے ساحل پر پیدا ہوتے ہیں جن کی مانگ دوسرے ملکوں میں بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

معدنی دولت کسی ملک کی آئندہ اقتصادی بہبودی کا انحصار اس کے معدنی ذخائر پر ہوتا ہے۔ ترکی، بلقان اور دیگر مسلم ممالک کے مقابلہ میں زیادہ معدنیات کا مالک ہے۔ کوئلہ بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے اور سب سے قیمتی کوئلے اور لوہے کی کان بحر اسود کے نزدیک ایک سو میل تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس علاقے کے کوئلے میں لوہا گلانے کی زبردست خاصیت ہیں۔ اس کان کے ذخیرے کا اندازہ دو ارب ٹن کے قریب ہے۔ موجودہ وقت میں ترکی کی کل پیداوار

نصف کروڑ ٹن ہے۔

جمہوریت نے ترکی کی زیر زمین دولت کو دریافت کرنے اور کام میں لانے کے لئے بڑی دقتیں اُٹھائی ہیں اور اس مقصد کیلئے طالبعلم بیرون ملک مطالعہ کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور پھر ان کانوں پر مامور کئے جاتے ہیں۔ دیگر معدنیات تانبا۔ سونا۔ چاندی جست۔ گندھک۔ نمک اور پارہ ہیں۔ میرشام (meers chaum) جو ایک کمیاب دھات ہے ترکی میں اسکی دنیا بھر کی پیداوار کا اسّی فیصدی پیدا ہوتا ہے۔ کروم اور سمباد (chrome & emery) میں بھی یہ دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند ملک ہے۔ منگانیز۔ ابرق۔ لی کوائٹ۔ بورے سائٹ اور جست بھی پائے جاتے ہیں۔ بہت سا تانبا جنوبی ترکی میں کھودا جاتا ہے پٹرول مشرقی اناطولیہ میں پایا جاتا ہے اور ترکی کے تیل کے چشمے عراق اور روس کے چشموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گندھک کی کل پیداوار ۲ لاکھ ٹن سالانہ ہے۔

ہوائی راستے اور ریلیں

جب ۱۹۲۳ء میں ترکی نے جمہوریت کا اعلان کیا تو اس نے تمام غیر ملکی ریلیں خرید لیں اور قومی سرمایہ سے نئی ریلیں جاری کیں، جمہوریت نے ۴۵۰۰ میل لمبی نئی لائنیں بنائیں اور سب مشہور شہروں اور صنعتی مرکزوں کو ملا دیا۔ ترکی کی اقتصادی پالیسی کی بنیاد سڑکوں۔ ریلوں اور ہوائی راستوں پر ہے۔ دہ دن گئے جب کسانوں کو اپنی پیداوار اونٹوں پر لاد کر دنوں اور مہینوں گھسٹنا پڑتا تھا۔ آج ریل اسے بندرگاہوں اور دیگر مرکزوں تک لیجاتی ہے۔ مشرق سے مغرب تک ایک لائن بنائی گئی ہے اور اس طرح ایران سے ریل کی سیدھی آمدورفت ہوگئی ہے۔ انگورہ اور استنبول کے درمیان ایک قومی ہوائی سروس قایم کردی گئی ہے۔ استنبول کا براہ راست تعلق ماسکو۔ ایتھنز۔ صوفیا اور بخارسٹ سے بھی ہے۔ ہوائی کلب تمام بڑے بڑے شہروں میں جاری کردئے گئے ہیں اور ہزاروں مردوں اور عورتوں کو ہوابازی کی تعلیم دیجارہی ہے۔

دوسری صنعتیں

ترکی قالین تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ اور اب حکومت کی امداد سے یہ صنعت بھی ترقی کر رہی ہے۔ اسلحہ سازی نے یہاں اتنی ترقی کرلی ہے کہ آج ترکی اپنی توپیں۔ مشین گنیں۔ ٹینک۔ ہوائی جہاز زہریلی گیسیں۔ آبدوز اور بحری جہاز وغیرہ طیار کرتا ہے۔ اور یہ تمام صنعتی ترقی بلا غیر ملکی قرضہ لئے ہوئے کی گئی ہیں۔

ملکی انتظام

یورپ کا "مرد بیمار" بقول نکولس اول شہنشاہ روس جس نے یہ اصطلاح ۱۸۵۳ء میں اختراع کی تھی آج اس کا سب سے تندرست بچہ ہے۔ ۱۹۲۳ء میں صلحنامۂ لازین کے طے ہونے کے بعد، انگورہ کی حکومت کو ترکی کی جایز حکومت تسلیم کیا گیا اور اس صلحنامہ سے ترکی نے اپنے کھوئے اقتدار کا بڑا حصہ حاصل کرلیا۔ غازی مصطفےٰ کمال نئی جمہوریت میں تمام معاملات کا مرکز تھا، جمہوریت کا پایۂ تخت استنبول سے انگورہ کو تبدیل کیا گیا۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ استنبول کی سلامتی و تحفظ قایم رکھنے کے لئے نہایت زبردست بحری فوج کی ضرورت ہوگی اور یہ کہ عیسائی اتحادی طاقتو سے بغیر ایسی بحری فوجوں کے مقابلہ کرنا ناممکن ہوگا۔ لہذا جغرافی حیثیت سے انگورہ ترکی کا دارالخلافہ ہونے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

نئے دستور نے یہ نافذ کیا کہ ترکی حکومت کا جمہوری آئین کبھی تبدیل نہ کیا جائے۔ ترکی کی گرانڈ نیشنل اسمبلی ایک منتخب شدہ جماعت ہے جس کو تمام انتظامی قوانین وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اسمبلی اپنے ممبران میں سے اپنا صدر منتخب کرتی ہے۔

اور وہی جمہوریت کا بھی صدر ہوتا ہے۔ صدر اپنا وزیر اعظم اسمبلی کے ممبروں میں سے چنتا ہے اور وہ اپنے وزرا اسمبلی میں سے انتخاب کرتا ہے۔ یہ تمام تقررات اسمبلی کی منظوری کے تابع ہوتے ہیں۔ وزرا انفرادی اور مجموعی طور سے اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں اسمبلی میں ۳۱۵ نمایندے تھے اور مشیران کار کا چناؤ حسب ذیل تھا:

(۱) صدر کونسل - (۲) وزیر اندرونی - (۳) وزیر مالیات - (۴) وزیر عدل - (۵) وزیر تعلیم - (۶) وزیر قومی تحفظ (۷) وزیر پبلک ورکس - (۸) وزیر قومی اقتصادیات - (۹) پبلک ہیلتھ - (۱۰) وزیر معاملات خارجہ -

عدالتی نظم و نسق کے لئے بھی علٰحدہ ایک اسمبلی موجود ہے۔ وہاں تقریباً ۵۰۷ قانونی عدالتیں ہیں جن میں سے ۲۰۰ امن قائم میں ہیں اور بقیہ میں تمام عدالتیں سپریم کورٹ کے ماتحت ہیں جس میں ۳۲ جج شامل ہیں۔ ججوں کو مختلف نشستوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو عدالتہائے ماتحت کی اپیلوں کا جو ان کے لئے قابل سماعت ہوں فیصلہ کرتی ہیں۔ ان عدالتوں کو دیوانی۔ فوجداری اور تجارتی مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔

یہاں کے قید خانوں کا اصول یہ ہے کہ قیدی اپنا گزارہ خود کرتے ہیں۔ ان کی اجرت کا کچھ حصہ روک لیا جاتا ہے اور جو جمع ہوتا ہے ان کے حساب میں منتقل کر دیا جاتا ہے تاکہ جب وہ قید خانے کی کوٹھری چھوڑیں، تو ان کے پاس کچھ دن بسر کرنے کے لئے روپیہ موجود ہو۔ وہ اپنے ممبروں کی ایک کمیٹی کے ذریعہ سے جیلخانوں کو جمہوری طرز پر چلانے اور قواعد بنانے میں سرکار سے اتحاد عمل کرتے ہیں۔ قواعد کی خلاف ورزی کے معاملات قیدیوں کی ایک کونسل طے کرتی ہے۔

صوبہ جاتی طرز حکومت میں بھی بہت اصلاحات ہوئی ہیں۔ ان کے انتظامی حصہ کا صوبہ جاتی حکومت میں سب سے زیادہ بااختیار حاکم ہوتا ہے۔ صوبہ کی اپنی الگ منتخب شدہ کونسل ہوتی ہے جو تمام اہم مقامی امور طے کرتی ہے۔ کونسل اپنے ممبروں میں سے ایک صدر اور مجلس انتظامیہ کا انتخاب کرتی ہے۔ صدر انتظامی امور کا افسر اعلیٰ ہوتا ہے اور انتظامی معاملات میں صرف قومی اور مقامی اختلاف کی صورت میں دخل دیتا ہے۔

رفیع اللہ خاں

۱۹۴۴ء کا معیاری ادب

ماہنامہ "چمنستان" دلّی کے

سال نامہ میں ملاحظہ کریں

ہندوستان کے مشہور اور ہونہار ادبا و شعرا شریک ہو رہے ہیں یہ نمبر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھے گا۔
نئے اور پرانے ادب کا حسین امتزاج اصلاحی اور رومانی افسانے، سچی کہانیاں، بے لاگ تنقیدیں، تحقیقی مقالے، ماحول کی مصور نظمیں، دھڑکتے دلوں کو لئے ہوئے غزلیں، آپ کو ۱۹۴۴ء کا مکمل ادب اس میں نظر آئے گا۔

خریداروں کو مفت — سالانہ چندہ تین روپے — قیمت سالنامہ ایک روپیہ آٹھ آنے

منیجر چمنستان دلّی

ایک قیمتی شعر

(تاریخی گفتگو)

حال ہی میں کتاب موسومہ "مضامین چغتائی مرزا عظیم بیگ چغتائی"، میری نظر سے گزری، یہ کتاب مختلف عنوانات اور مختلف مضامین پر مشتمل ہے، اس کے ایک مضمون کی سرخی "ایک قیمتی شعر" ہے، وہ قیمتی شعر جو کتاب مذکور کے صفحہ ۶۵ پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے تحریر ہوا ہے، یہ ہے:

ہیچ مادر کس نزاید زیر چرخ چنبری　　بادشاہے چوں جلال الدین گداچوں انوری

جیسا کہ ظاہری الفاظ سے متبادر ہے، ممدوح جلال الدین اکبر اور مصنف انوری ہیں، لیکن واقعتاً تو اس شعر کے مصنف حکیم اوحدالدین انوری ہیں اور یہ ممدوح جلال الدین اکبر!

مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مضمون مذکور کے بعض اقتباسات نقل کر دئے جائیں، تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ فاضل مضمون نگار نے، مضمون مذکور کو تاریخی جامہ پہنانے کی کس درجہ کوشش کی ہے مضمون کی ابتدا لایق مقالہ نگار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے، جب ابوالفضل و فیضی و راجہ بیربل کے ایسے لایق اور زندہ دلوں نے اپنے زور بیان اور زور قلم سے، اکبر کے دل پر ایسا سکہ جما رکھا تھا، کہ کسی دوسرے کی دربار شاہی میں دال بھی نہ گلتی تھی، یہ ایک مشہور بات ہے کہ اگر کوئی شاعر آیا اور اُس نے بادشاہ کو قصیدہ سنایا اور اس دوران میں ابوالفضل یا فیضی نے قصیدہ کا بیشتر حصہ ذہن میں ایسے رکھ لیا کہ بعد قصیدہ ختم ہونے کے بادشاہ کو دوبارہ وہیں سنا دیا، اور یہ کہا کہ یہ قصیدہ تو میں نے کہا تھا"

مسٹر چغتائی اس واقعہ کو مشہور بات کہتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ شہرت اُن کے کانوں تک پہونچی ہو، لیکن صفحات تاریخ اس شہرت سے معرّا ہیں۔ آگے چل کر ابوالفضل کی تعریف ان الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"ابوالفضل کی خداداد ذہانت اور قابلیت نے اس کو بیک وقت ہندوستان کا ملک الشعراء اور فردوسی و سعدی بنا دیا تھا وہ شاعر تھا، عالم تھا، فلاسفر تھا اور ساتھ ہی درباری رسوخ کی کنجی بھی تھا"

حیرت ہوتی ہے کہ فاضل مقالہ نگار کے قلم سے یہ الفاظ کیونکر تحریر ہوئے، ابوالفضل کی غیر معمولی قابلیت سے کون انکار کر سکتا ہے، اپنے عہد میں نثاری کا وہ بادشاہ تھا اور عدیم النظیر لیکن اُس کا ملک الشعراء ہونا اور فردوسی و سعدی کا ہم پلہ ہونا درست نہیں اب فاضل مقالہ نگار ابوالفضل کی جانب سے روگردانی فرما کر، انوری کی جانب ان الفاظ میں اپنی توجہ مبذول فرماتے ہیں:

پیغمبروں کے لطایف

مدعیان نبوت تین طرح کے ہوئے ہیں، ایک وہ جو واقعی ملک وقوم کی اصلاح کا جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے اور باوجود موانع کے انھوں نے اپنے مشن کی تبلیغ کی اور آخر کار وہ کسی نہ کسی طرح اس میں کامیاب ہوئے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی جنھوں نے صرف اس لئے دعوائے نبوت کیا کہ وہ دنیاوی جاہ وحشم اور دولت وثروت کے خواہشمند تھے اور اپنی قوم یا قبیلہ میں خاص مرتبہ رکھنے کی وجہ سے انھوں نے کچھ دن نبوت کا بھی مزہ اُٹھالیا، تیسری قسم ان مدعیان نبوت کی تھی جو محض لطف وتمسخر کی بنا پر نبی بن بیٹھے اور ان کی نبوت ایک لطیفہ بن کر رہ گئی۔

قسم اول کے انبیاء کا ذکر اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے اور نہ اس میں کسی لطایف کا گزر۔ قسم دوم میں طلیحہ، اسود عنسی کے علاوہ مسیلمہ اور سجاح بنت حارث نے کافی شہرت حاصل کی، اور اس کا سبب زیادہ تر یہ تھا کہ ان دونوں نے ایک ہی وقت میں نبوت کا دعوے کیا اور بالآخر دونوں کی مواصلت پر یہ کھیل ختم ہوگیا۔

مردوں میں تو خیر متعدد نام ایسے گنائے جاسکتے ہیں، جو نبوت کی نسبت سے مشہور ہوئے، لیکن عورتوں میں غالباً ایک سجاح ہی ایسی تھی جس نے نبیہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اخیر عمر میں اسلام لائی۔

تیسری قسم انبیاء کی بہت پُرلطف تھی، اور انھیں کے لطایف آج ہم بیان کرتے ہیں جو مولانا شرر کے ایک مقالہ سے لئے گئے ہیں۔

دور عباسیہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اسلامی حکومت کا بڑا عجیب وغریب زمانہ تھا۔ علم وفضل اور تہذیب و شایستگی کا کوئی پہلو اور جاہ وامارت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو انتہائی عروج تک نہ پہونچا ہو۔ اور جب کسی قوم کا تمدن اتنا وسیع وبلند ہوجاتا ہے تو اس میں اُپج کی بھی کمی نہیں ہوتی، چنانچہ ایک خاص اُپج لوگوں میں یہ بھی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ نبوت کا دعوے کرکے ملک میں مشہور ہوجائیں اور اس طرح دربار عباسیہ تک ان کی رسائی ہوجائے۔

مامون رشید کا زمانہ ہے اور ایک نہ دو، اکٹھے دس مدعیان نبوت شاہی حراست میں قصر شاہی تک جارہے ہیں۔ راستہ میں تماشائیوں کا ہجوم ہے اور بہت کم لوگ واقف ہیں کہ یہ اچھے خاصے مہذب وشایستہ پڑھے لکھے انسان شاہی باڈی گارڈ کے ساتھ کہاں اور کیوں جارہے ہیں۔

انھیں تماشائیوں میں سے ایک شخص یہ سمجھ کر کہ غالباً یہ لوگ کہیں دعوت میں جارہے ہیں خود بھی ان کے غول میں شریک ہوگیا، مامون الرشید کے سامنے جب یہ لوگ پیش کئے گئے اور ان کا شمار ہوا تو یہ بجائے دس کے گیارہ نکلے۔ اس پر سب کو

حیرت ہوئی لیکن کوئی زیادہ کاوش اس باب میں نہ کی گئی اور ان سب کے قتل کا حکم صادر کیا گیا۔

اب یہ شخص بہت گھبرایا اور بولا کہ "آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں"۔ مامون نے پوچھا "کیوں، کیا تم نے نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا"۔ وہ بولا "اجی، کہاں کی نبوت، اور کیسی رسالت، میں تو یہ سمجھ کے ان کے ساتھ ہولیا تھا کہ یہ کہیں دعوت میں جا رہے ہیں، مجھے دعوائے نبوت سے کیا واسطہ" یہ سنکر مامون ہنستے ہنستے بیتاب ہوگیا۔

خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا اور جب گرفتار ہوکر خلیفہ کے سامنے لایا گیا تو پوچھا کیا "تم نبی ہو"۔ بولا "جی ہاں"۔ پھر سوال کیا گیا کہ "تم کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو"۔ بولا کہ "تم نے کسی کے پاس مجھے جانے ہی نہیں دیا، نام لوں، تو کس کا، اُدھر میں نے دعویٰ کیا اور اِدھر تم نے مجھے پکڑ کر قید خانہ بھیجدیا"

ایک بار کسی شخص نے بصرہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہاں کا حاکم اسوقت سلیمان بن علی تھا۔ جب یہ شخص گرفتار ہوکر حاکم بصرہ کے سامنے لایا گیا تو اس سے سلیمان نے پوچھا: "کیا تم خدا کے بھیجے ہوئے پیمبر ہو؟"۔ اس نے جواب دیا: "جی، اس وقت تو قیدی ہوں"

سلیمان: "کمبخت تجھے کس نے نبی بنایا"

——: "کیا پیمبروں سے ایسی ہی گفتگو کی جاتی ہے، کیا کروں مجبور ہوں کہ اس وقت قید میں ہوں، ورنہ جبرئیل کو حکم دیتا کہ تم سب کو ہلاک کر ڈالیں"

سلیمان: "کیا قیدی کی دعا قبول نہیں ہوتی"

——: "جی اور کیا، خصوصاً انبیا کی دعا تو قید کی حالت میں اوپر جاتی ہی نہیں"

سلیمان نے ہنسکر کہا: "اچھا میں تمھیں چھوڑے دیتا ہوں، آزاد ہونے کے بعد جبرئیل کو حکم دو اور اگر انھوں نے تمھارا حکم مان لیا تو ہم سب تم پر ایمان لے آئیں گے"۔ وہ یہ سُنکر بولا:۔ "خدا سچ فرماتا ہے فلایومنوا حتیٰ یروالعذاب الالیم" (یعنی جب تک عذاب کو دیکھ نہ لیں گے ایمان نہ لائیں گے)

سلیمان یہ جواب سنکر ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ میں ایک اور شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ اپنے آپ کو ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا۔ جب یہ گرفتار ہوکر سامنے لایا گیا تو ثمامہ بن اشرس نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اس شخص سے گفتگو کروں۔ مامون نے اجازت دی۔

ثمامہ: "تم اپنے آپ کو ابراہیم خلیل اللہ کہتے ہو، لیکن اُن کے پاس تو نبوت کی دلیلیں تھیں، تمھارے پاس کونسی دلیل ہے"

——: "ابراہیم کے پاس کونسی دلیلیں تھیں"

ثمامہ: "وہ آگ میں ڈالے گئے اور آگ انھیں نہ جلا سکی، ہم تمھارے لئے بھی آگ روشن کراتے ہیں اور اس میں تمھیں ڈالتے ہیں اگر تم نہ جلے تو بیشک یہ تمھاری نبوت کی دلیل ہوگی"

یہ سنکر وہ بولا کہ "یہ تو بہت مشکل ہے، کوئی اور آسان صورت تجویز کرو"

ثمامہ: "اچھا تو پھر کوئی ویسی ہی دلیل پیش کرو جیسی حضرت موسیٰ نے پیش کی تھی"

اس نے پوچھا: "موسیٰ کے دلایل کیا تھے"۔ ثمامہ نے جواب دیا کہ "ان کے پاس ایک عصا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتا تھا"۔ یہ سنکر بولا کہ "یہ بھی مشکل ہے، اس سے زیادہ کوئی آسان صورت بتاؤ"۔

ثمامہ: "تو پھر حضرت عیسیٰ کی سی نشانی پیش کرو"۔

اس نے پوچھا ان کی نشانیاں کیا تھیں۔

ثمامہ: "وہ اندھوں کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے اور مردہ کو زندہ"

یہ سنکر وہ بولا کہ "واہ، یہ تو اور زیادہ مشکل بات ہے، میں آسان صورتیں پوچھتا ہوں اور تم انھیں اور زیادہ مشکل کرتے جاتے ہو"

ثمامہ: "تو پھر تمھیں کوئی صورت بتاؤ، تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو کوئی ثبوت دینا ہی پڑے گا"۔

اس نے کہا: "میرے پاس کوئی ثبوت نہیں، میں نے جبرئیل سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ مجھے شیطانوں کے پاس بھیجتے ہو تو کوئی دلیل بھی دو، لیکن وہ اس پر بگڑ گئے، بہرحال میں مجبور ہوں، اس لئے اگر بغیر کسی دلیل کے مجھے نبی مانتے ہو تو مانو، ورنہ جانے دو، جھگڑا ہی کیا ہے؟"

خلیفہ مہدی ہنس پڑا اور اسے رہا کر دیا۔

خلیفہ مہدی کے پاس ایک اور شخص اسی طرح کا لایا گیا۔ مہدی نے پوچھا: "تم کب مبعوث ہوئے"۔ بولا۔ "آپ کو اس سے کیا بحث کہ میں کب مبعوث ہوا۔ کیا نبوت تاریخ کی پابند ہوتی ہے"

مہدی نے پھر سوال کیا کہ "تمھیں کہاں نبوت ملی"۔ بولا: "خدا کی قسم یہاں تو ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں، جن کا نبوت سے کوئی تعلق ہی نہیں، سنئے، اگر آپ میری نبوت مانتے ہیں، تو مانئے ورنہ اپنے گھر خوش رہئے۔ یہ میں چلا"۔

ایک دن عبداللہ بن حازم، دجلہ کے پُل کے پاس اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگ ایک شخص کو پکڑ کر لائے اور کہا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

عبداللہ نے پوچھا "تم پیغمبر ہو" بولا "جی ہاں" پوچھا "کس قوم پر مبعوث ہوئے ہو" بولا "کسی پر ہوا ہوں تمھیں کیا، میں شیطان پر مبعوث ہوا ہوں"۔ یہ سنکر عبداللہ ہنس پڑے اور کہا کہ "اسے چھوڑ دو، شیطان کے پاس جائے"۔

ثمامہ بن اشرس کہتے ہیں کہ میں قید میں تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مہذب و شایستہ انسان قید خانے میں لایا گیا، اس وقت میرے ہاتھ میں شربت کا پیالہ تھا، اسے دیکھ کر میں اس قدر متحیر ہوا کہ پیالہ منہ سے لگانا بھول گیا اور اس سے پوچھا: "آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ کو کس جرم میں مقید کیا گیا ہے"

بولا۔ "یہ بدمعاش مجھے پکڑ لائے ہیں اور محض اس قصور پر کہ میں نے سچی بات ظاہر کی، میں نبی مرسل ہوں"

یہ سنکر میں متعجب ہوا اور بولا "کوئی معجزہ بھی آپ کے پاس ہے" - اس نے جواب دیا کہ "جی ہاں، میرے پاس سب سے بڑا معجزہ ہے" پوچھا - "کیا" بولا کہ "کسی حسین عورت کو لاؤ، دیکھو ابھی حاملہ کرادوں گا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا"

تمامہ یہ سنکر مشکل سے ہنسی ضبط کرسکے اور کہا "صلی اللہ علیک" اور پیالہ پیش کرکے کہا: "لیجئے اسے نوش فرمائیے"

محمد بن عتاب کا بیان ہے کہ میں نے ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک روز شہر رقہ میں دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو گھیرے ہوئے ہیں جو صورت سے بہت مہذب معلوم ہوتا تھا، پوچھا "اسے کیوں گھیرے ہوئے ہو" لوگوں نے کہا "یہ پیغمبری کا دعوے کرتا ہے" میں نے کہا "تم غلط کہتے ہو، ایسے شخص سے ایسا فعل سرزد نہیں ہوسکتا" - یہ سنکر اس نے بگڑکر مجھ سے کہا:- "تمھیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں" میں نے کہا "تو کیا تم نبی ہو" بولا "بیشک" میں نے کہا "اس کی دلیل؟" بولا "دلیل یہ ہے کہ تم ولد الزنا ہو" میں نے ضبط کرکے کہا کہ "بھلا پاکدامن عورتوں پر زنا کا اتہام لگانا پیغمبروں کا کام ہے؟" بولا "میں تو اسی غرض سے مبعوث ہوا ہوں" - میں نے کہا "تو مجھے تمھاری نبوت سے انکار ہے" بولا - "انکار ہے تو اپنے گھر خوش رہو" اتنے میں کسی نے اسے چند سنگریزے کھینچ مارے جن سے وہ زخمی ہوگیا اور بولا "یہ فعل خاص ابن زانیہ کا ہے" اور آسمان کی طرف سر اٹھاکر کہنے لگا - "تم نے اچھا نہ کیا جوان جاہلوں کے ہاتھ میں مجھے مبتلا کردیا"

مامون کے زمانہ میں ایک اور شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مامون نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو ساتھ لیا اور کہا "چلو، اس شخص سے چھپ کر ملیں اور دیکھیں کیا کہتا ہے -

چنانچہ دونوں بھیس بدل کر اس کے پاس پہونچے اور کہا کہ "ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر ایمان لائیں" اس نے کہا "تو آؤ بیٹھو" - اجازت پاکر مامون اس کے داہنے ہاتھ اور قاضی یحییٰ بائیں ہاتھ بیٹھ گئے -

مامون نے پوچھا "آپ کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں" بولا - "ساری دنیا کے لئے" - پوچھا: "تو کیا آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، یا القا ہوتا ہے، یا فرشتہ آکر آپ سے گفتگو کرتا ہے" - بولا - "فرشتہ گفتگو کرتا ہے" پوچھا "کون فرشتہ آتا ہے" - بولا: "جبرئیل" - پوچھا "اس سے پہلے کب آئے تھے" - کہا: "ابھی ابھی تمھارے آنے سے پہلے وہ موجود تھے" پوچھا "تو تم پر اس وقت کیا وحی آئی" بولا "یہی کہ عنقریب میرے پاس دو شخص آئیں گے ایک میرے داہنے طرف بیٹھے گا، دوسرا بائیں طرف اور جو بائیں ہاتھ بیٹھے گا وہ دنیا کا سب سے بڑا لوطی ہوگا" (قاضی صاحب اس باب میں بدنام تھے) مامون یہ سنکر ہنسی ضبط نہ کرسکا اور کہا "اشہد انک رسول اللہ" (میں تمھاری رسالت پر ایمان لاتا ہوں)

کوفہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ایک دوست آئے اور کہا "تم نے کچھ اور بھی سنا، یہاں ایک پیغمبر صاحب پیدا ہوئے ہیں، چلو ذرا ان سے ملکے دیکھیں، وہ کیا کہتے ہیں" - میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ہم دونوں اس

نبی کے مکان پر پہونچے۔ یہ ایک نہایت ہی بدصورت خراسانی بڈھا تھا اور بھنگا بھی تھا، میرے دوست کانے تھے، انھوں نے کہا تم "چپ رہو، میں گفتگو کرتا ہوں"۔ میں نے کہا "بہتر" اب اس سے ان دوست نے پوچھا "جناب کا کیا دعوے ہے" بولا۔ "میں نبی ہوں"۔ پوچھا "دلیل"۔ بولا۔ "دلیل یہ کہ تم کانے ہو، اگر اپنی دوسری آنکھ نکال کے اندھے ہو جاؤ، تو میں اسی وقت دعا کر کے تمھیں اچھا کر دوں گا"

میں نے ہنسی روک کر کہا کہ "پیغمبر صاحب آپنے بات معقول کہی، لیکن یہ مانے گا نہیں"۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا۔ "تو تمھیں اپنی آنکھیں پھوڑ کے کیوں نہیں امتحان لیتے"

اس کے بعد ہم دونوں ہنستے ہوئے گھر چلے آئے۔

ایک بار مامون کے پاس کسی مدعی نبوت کو پیش کیا گیا، پوچھا "تمھارے پاس کوئی معجزہ بھی ہے"۔ بولا۔ جی ہاں، میں آپ کے دل کی بات بتا سکتا ہوں"۔ مامون نے کہا "اچھا بتاؤ، اس وقت میرے دل میں کیا ہے" بولا "اس وقت آپ کے دل میں ہے کہ یہ شخص بڑا جھوٹا ہے"

مامون نے کہا "یہ تو تم نے سچ بتایا" اور اسے قید خانہ بھیجدیا۔ چند روز بعد پھر بلوایا اور پوچھا "اس درمیان میں کوئی وحی تم پر نازل ہوئی یا نہیں"، بولا۔ "نہیں"۔ پوچھا۔ "کیوں" کہا "اس لئے کہ قید خانے میں فرشتے نہیں آتے"۔ مامون ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

مامون کے پاس آذربیجان سے ایک مدعی نبوت گرفتار کر کے لایا گیا۔ مامون نے اپنے محل کے داروغہ ثمامہ کو حکم دیا کہ اس سے باتیں کرے۔

ثمامہ نے پوچھا کہ "تمھاری نبوت کی کیا دلیل ہے"۔ بولا "تم اپنی جورو کو میرے پاس بھیجدو، اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو گہوارہ ہی میں میری نبوت کی تصدیق کرے گا"

ثمامہ نے کہا "جناب میں بغیر کسی دلیل کے آپ کو نبی مانتا ہوں، اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ"

مامون نے کہا۔ "تم تو چھوٹتے ہی ایمان لے آئے" ثمامہ نے عرض کیا "امیرالمومنین کا تو کچھ بگڑے گا نہیں، اور میں بے آبرو ہو جاؤں گا، جسے اپنی بیوی سے دست بردار ہونا ہو، وہ ان کی نبوت میں شک کرے"

مامون ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

ایک بار ہارون الرشید کے ایک مدعی نبوت پیش کیا گیا۔ رشید نے پوچھا تو بولا "جی ہاں، میں نبی کریم ہوں"۔ پوچھا "دلیل"۔ بولا "آپ جو فرمائیں"

رشید نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ یہاں جتنے بے ریش و بروت غلام کھڑے ہیں، ان سب کے اسی وقت داڑھیاں نکل آئیں"۔ جواب دیا "بھلا، اس میں کیا خوبی ہے کہ ان کے خوبصورت چہرے داڑھی نکال کے خراب کئے جائیں،

ہاں یہ معجزہ دکھا سکتا ہوں کہ یہاں جتنے داڑھی والے اس وقت موجود ہیں، ان سب کی داڑھیاں غائب کر دوں"
یہ سنکر رشید بہت ہنسا اور اسے انعام دیکر رخصت کر دیا۔

ایک اور مدعی نبوت کو مامون کے سامنے لایا گیا اور جب اس سے معجزہ طلب کیا گیا تو کہا "میں سنگریزے پانی میں ڈالتا ہوں، اگر گھل جائیں تو جانئے میں سچا نبی ہوں"
مامون نے کہا - "منظور" - اس نے ایک کٹورے میں پانی بھر کر سب کے سامنے سنگریزے ڈالے تو وہ گھل گئے
مامون نے کہا یہ اصلی سنگریزے نہ تھے، ہم جو سنگریزے دیں، انھیں گھلا دو تو جانیں" - بولا - "نہ تم فرعون سے بڑے ہو اور نہ میں موسیٰ سے - فرعون نے موسیٰ سے کب کہا تھا کہ تمھارے عصا کی سند نہیں، ہم جو عصا دیتے ہیں اسے اژدہا بناؤ تو جانیں"
مامون اس لطیفہ پر بہت ہنسا اور اسے انعام دیکر رخصت کر دیا۔

خلیفہ معتصم باللہ کے پاس ایک مدعی نبوت گرفتار کر کے لایا گیا۔ خلیفہ نے پوچھا "تم کس کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو" بولا - "آپ کی ہدایت کے لئے" معتصم بولا "تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم کمینے اور احمق ہو" بولا - جی ہاں، یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ جیسے لوگ ہوتے ہیں ویسے ہی پیغمبروں کے پاس بھیجے جاتے ہیں"
یہ جواب سنکر معتصم ہنس پڑا اور اسے رہا کر دیا۔

مامون کے پاس ایک مدعی نبوت لایا گیا، تو مامون نے کہا کہ "اگر تم نبی ہو، تو اسی وقت ایک خربزہ لاکر پیش کرو"
اس نے کہا "تین دن کی مہلت دیجئے"
مامون نے کہا "مہلت نہ دیجائے گی" بولا - "یہ کونسا انصاف ہے کہ خدا تو کم از کم چھ مہینے میں خربزے پیدا کرتا ہے اور میں اسی وقت پیدا کر دوں"

خلیفہ متوکل کے زمانہ میں ایک عورت پکڑ کر لائی گئی پیغمبر ہونے کی مدعی تھی -
متوکل نے پوچھا - "تو نبیہ ہے" بولی "جی ہاں" پوچھا "تو محمد کو بھی رسول مانتی ہے یا نہیں" بولی "کیوں نہیں"
متوکل نے کہا: "جب تو انھیں مانتی ہے، تو اُن کے اس قول کو بھی مانتی ہوگی کہ لانبیّ بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)"
بولی کہ "میں ان کے ہر قول کو مانتی ہوں، لیکن انھوں نے یہ تو نہیں فرمایا کہ لانبیۃ بعدی (میرے بعد کوئی نبیہ نہ ہوگی)"
متوکل ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

بلقان پر روس کے آیندہ اثرات

روسی فوجوں کا رومانیا کی سرزمین تک پہونچ جانا، فوجی نقطۂ نظر سے تو خیر اہم واقعہ ہی، لیکن سیاسی حیثیت سے اسکی اہمیت غالباً بہت زیادہ ہے، کیونکہ اگر جرمن اثرات دور ہوکر یہاں روسی اقتدار قایم ہوگیا، تو یہ تاریخ بلقان کا بالکل نیا ورق ہوگا۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ یورپ کے اس مشرقی جنوبی حصہ کے حالات پر پہلے ایک سرسری نظر ڈال لیں۔

جزیرہ نمائے بلقان کی چار حکومتیں (ہنگری، رومانیا، یوگوسلاویا اور بلغاریا) دریائے ڈینیوب کی وادی میں واقع ہیں اور پانچویں حکومت یونان، گو جغرافی حیثیت سے ذرا علحدہ واقع ہوئی ہے، تاہم اقتصادی و تمدنی لحاظ سے یہ بھی انھیں چار حکومتوں کی طرح ہے، سوا اس کے کہ یونان کا بڑا حصہ جزایر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، یہاں کے لوگ بحری ذوق زیادہ رکھتے ہیں۔

آبادی کے لحاظ سے یہ پانچ ملک دو حصوں میں تقسیم ہوسکتے ہیں، یعنی ان میں سے دو ملک یونان اور بلغاریا نسبتاً چھوٹے ہیں اور ان کی آبادی ستر ستر لاکھ کے قریب قریب ہے، ان کے بعد ہنگری کا نمبر ہے جس کی آبادی ۹۰ لاکھ ہے اور پھر رومانیا اور یوگوسلاویا دو بڑی حکومتیں ہیں جن کی آبادی ڈیڑھ ڈیڑھ کرور کے قریب ہے۔ لیکن آبادی کی نوعیت کے لحاظ سے یہ سب ایک ہی ہیں۔

اگر آپ موٹر میں بیٹھکر ان ملکوں کا دورہ کریں تو آپ کو یہ دیکھکر حیرت ہوگی کہ ان سب کی آبادی، اپنی معاشرت و معیشت کے لحاظ سے بہت کچھ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے اور قدامت پسندی کے نشانات ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

دیہات و قصبات سے جب آپ گزریں گے تو دیکھیں گے کہ ان کی معاش زیادہ تر زراعت پر منحصر ہے، لیکن سوائے چند بڑے شہروں کے کہ یہاں تو بیشک کچھ مشینیں نظر آجاتی ہیں، باقی سب جگہ وہی پرانے طریقے کاشت کے پائے جاتے ہیں۔

ان کی عورتوں کا لباس بھی اب تک وہی چلا آتا ہے، جس کا کپڑا وہ خود بنتی ہیں اور جس پر کشیدہ کاری بھی انھیں کی ہوتی ہے۔ صنعت و حرفت تقریباً یہاں مفقود ہے اور سوائے بوڈاپسٹ بلگریڈ، بخارسٹ اور سالونیکا کے کسی جگہ صنعتی کارخانے نظر نہیں آتے۔

معدنی پیداوار کی کیفیت یہ ہے کہ یوگوسلاویا میں کچھ کانیں تانبہ کی پائی جاتی ہیں اور رومانیا میں پٹرولی چشمے۔ لیکن کوئلہ اور لوہا تقریباً بالکل مفقود ہے۔ اس لئے یہاں کی دولت جو کچھ ہے وہ صرف یہاں کی زراعت ہے۔

گیہوں اور جوار یہاں کی خاص پیداوار ہے اور اسی پر یہاں کی آبادی کی زندگی کا انحصار ہے۔ رومانیا میں البتہ سویابین اور سورج مکھی زیادہ پیدا ہوتا ہے جن سے تیل طیار ہوتا ہے، اسی طرح یونان میں تمباکو کی پیداوار کافی ہوتی ہے لیکن یہ سب ضمنی چیزیں ہیں، اصل چیز وہی زراعت ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس لحاظ سے دریائے ڈینوب نے اس حصۂ یورپ کو بہت زرخیز بنا دیا ہے۔

پھر جس طرح تمام کاشتکار ملکوں کی حالت ہے، اسی طرح یہاں بھی غربت و افلاس عام ہے اور معیار معیشت پست۔ یہ ہے ان ملکوں کی خصوصیت جس میں وہ باہمد گر مشترک نظر آتے ہیں، لیکن اب ان کے باہمی فرق کو بھی دیکھئے۔

یوگوسلاویا، بلغاریا اور یونان بالکل کاشتکاروں کے ملک ہیں، جہاں زمینداروں کا طبقہ نہیں پایا جاتا، ہر کاشتکار اپنی زمین کا مالک ہے جسے وہ جوتتا بوتا ہے اور دولتمندی و افلاس کا وہاں کوئی فرق نہیں۔ البتہ بڑے بڑے شہروں میں بعض دولتمند اور سرمایہ دار خاندان ایسے ضرور ہیں، جو ان ملکوں کی پیداوار سے تاجرانہ فایدہ اُٹھاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو سیاسی لیڈر بنکر پبلک سے ناجایز فایدہ حاصل کرتے رہتے ہیں، لیکن یہ سب بہت کم ہیں اور زیادہ تر آبادی کی زراعت پیشہ ہی ہے اور چونکہ ان کے معیشت و معاشرت میں فرق مراتب بہت کم ہے، اس لئے قدرتاً ان کا میلان جمہوریت کی طرف ہے۔

ہنگری اور رومانیا کی حالت مختلف ہے۔ ہنگری میں ابتک جاگیردارانہ امارت پائی جاتی ہے اور وہاں کی زمین بڑے بڑے زمینداروں کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے یہاں کے کاشتکاروں کی حالت مزدوروں کی سی ہے، جن کی زندگی زمینداروں کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سوائے اسپین کے یورپ کے کسی حصۂ ملک میں ہنگری کا سا جابرانہ جاگیردارانہ نظام نہیں پایا جاتا اور یہی لوگ دراصل یہاں کے حکمراں ہیں۔

رومانیا میں بھی چوتھائی صدی پہلے یہی حال تھا، اور یہاں کے زمینداروں نے ڈر کر کہ مبادا انقلاب روس کے اثرات دریائے ڈینسٹر کو عبور کر کے رومانیا تک پہونچ جائیں اور کاشتکار ہاتھ سے نکل جائیں، کاشتکاروں کو زمین دینے میں زیادہ وسعت نظر سے کام لینا شروع کیا، لیکن اس سے ان کی اقتصادی حالت پر کوئی خاص اثر نہ پڑا۔ کیونکہ جن شرایط پر ان کو زمین دی گئی وہ بہت سخت تھے اور یہ اس قدر غریب تھے کہ کھیت جوتنے کے لئے مویشی تک نہ خرید سکتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب رومانیا کے تیل کے چشموں سے فایدہ اُٹھانے کے لئے غیر ملکی سرمایہ دار پہونچے، تو یہاں کی سیاسیات بہت گر گئی اور شاہ کیرول کے زمانہ میں تو وہ کھلم کھلا فاسستی حکومت ہو گئی۔

رومانیا اور ہنگری میں جرمنی اثرات قایم ہونے کے کئی سبب تھے، ایک یہ کہ ان دونوں ملکوں کی تمام ضرورتیں جرمنی سے پوری ہوتی تھیں۔ جرمنی یہاں کی تمام خام پیداوار خرید لیتا تھا اور اپنی مصنوعات یہاں کے بازاروں میں بھیج کر فایدہ اُٹھاتا تھا۔

ایک دوسرا سبب ہنگری کے متاثر ہونے کا یہ بھی تھا کہ لوگ زیادہ تر کیتھولک مذہب رکھتے ہیں اور اپنے ذوق کے لحاظ سے وہ مغربی حصۂ یوروپ (جرمنی) سے زیادہ متاثر ہیں۔

یوگوسلاویہ کی حالت اس لحاظ سے البتہ ذرا مختلف ہے، کیونکہ یہاں تین قومیں آباد ہیں، جن میں سے کروٹ اور

سلون قومیں کیتھولک چرچ کی پابند ہیں اور سربی قوم پروٹسٹنٹ چرچ کی۔ لیکن چونکہ سربی قوم اپنے آپ کو یہاں کا اصلی حکمراں سمجھتی ہے، اس لئے دوسری قوموں سے انکا اتحاد کبھی نہیں ہوا اور یوگوسلاویا کی بدامنی کا بڑا سبب یہی اختلاف عقاید ہے۔

بلغاریا کی حالت یہ ہے کہ یہاں کے حکمراں خاندان نے ہمیشہ اس ملک کو اپنے پڑوسی ملکوں (یونان اور یوگوسلاویا) سے برسرپیکار رکھا اور ہمیشہ ناکام رہا۔ علاوہ اس کے یہاں کے کاشتکار طبقہ کا میلان ہمیشہ روس کی طرف رہا اور اسی لئے جرمنی نے بلغاریا کو زبردستی اپنے ساتھ شامل کرکے روس سے لڑا دیا۔

الغرض بلقان کی سب سے بڑی تباہی یہاں کی قوموں کا باہم اختلاف ہے، اور اسی سے جرمنی نے فایدہ اُٹھایا۔ لیکن چونکہ باوجود ان تمام اختلافات کے بلقان کی اکثر آبادی زراعت پیشہ ہے اور اپنی معیشت و معاشرت کی وجہ سے قدرتاً ان کا میلان جمہوریت کی طرف ہے، اس لئے روس کا اس سرزمین تک پہونچ جانا بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ جس وقت یہاں کی آبادی کو معلوم ہوگا کہ روسی حکومت، جس کے خلاف فاسستی حکومتوں نے اتنا زبردست پروپاگنڈا کر رکھا تھا، دراصل کاشتکاروں ہی کی حکومت ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس اثر کو قبول نہ کریں اور بلقان کے آیندہ نظام حکومت کی بنیاد جمہوری اُصول سے ہٹ کر کسی اور اُصول پر قایم ہو۔

مغل لائن لمیٹڈ

لڑائی کے زمانہ میں ہمارے ان جہازوں کے اوقات جو سامان اور مسافروں کو عدن، جدہ، پورٹ سوڈان مصر اور ماریشس تک لیجاتے تھے، مجبوراً بے قاعدہ ہوگئے ہیں، لیکن صلح اور فتح کے بعد کمپنی کے تمام جہازوں کی آمد و رفت پھر باقاعدہ ہوجائے گی اور مسافروں اور سامان بھیجنے والوں کے لئے بدستور سابق پھر آسانیاں پیدا ہوجائیں گی۔

ٹرنر مارریسن اینڈ کو

مینجنگ ایجنٹس مغل لائن کمپنی

نمبر ۱۶ بنک اسٹریٹ بمبئی

جوتے

سوچتا ہوں کہ جب اگلے مہینے تنخواہ ملے گی تو سب سے پہلے جوتوں کی مرمت کراؤں گا! — میرے پاس دو جوڑے جوتے ہیں۔ حالانکہ وہ پھٹے ہوئے ہیں مگر ان لوگوں سے پھر بھی اچھا ہوں جن کے پاس ایک ہی جوڑا ہے اور جو اسی کو رات دن گھسیٹتے پھرتے ہیں! اسی لئے جب کسم کہتی ہے "پھینک بھی دو ان جوتوں کو — ایک اور اچھا سا خرید لو" — تو میں یہ کہکر ٹال دیتا ہوں، اگلے مہینے ضرور خریدوں گا — مگر سوچتا یہ ہوں کہ "اگلے ماہ تنخواہ ملنے پر سب سے پہلے جوتوں کی مرمت کراؤں گا"

وجہ یہ ہے کہ نیا جوتہ خریدے جانے پر یہ دونوں جوڑے دوسرے ہی دن کوڑے پر پھینک دئے جاتے اور میرے پاس ایک ہی جوڑا رہ جاتا جس کو مجھے ہر روز اور ہر وقت پہننا پڑتا اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ بجائے نیا جوتہ خریدنے کے اگلے مہینے ان دونوں کی مرمت کراؤں گا!

ان جوتوں کو پھینکنے کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ جوتوں کا صرف پنجہ ہی تو خراب ہوا تھا۔ یعنی پچک کر چوڑا ہو گیا تھا۔ کیا ہوا اگر ان کے تلوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے لوگوں کی نظر ابرے پر پڑتی ہے اور یہ اچھے خاصے تھے۔ اگر تلا غائب ہوا جا رہا تھا تو بھی کیا۔ مجھے تو اس کا بالکل احساس نہیں تھا۔ جب دفتر کو جاتا ہوں تو سائیکل پر، جب دفتر سے لوٹتا ہوں تو سائیکل پر۔ اگر راستہ میں کہیں اُترنا پڑے تو نئی دلی کی چکنی سڑکیں ہیں جن پر چلنے سے پیر میں کانٹے یا پتھر چبھنے کا بالکل ڈر نہیں رہتا۔ جب میں کرسی پر بیٹھ جاتا ہوں تو تلا چھپ ہی جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ نئے جوتے پہن کر آتے ہیں تو اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے جوتے کی نوک سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کی ناک تک نہیں تو چہرہ تک ضرور ہی پہونچ جاتی ہے اور وہ ان جوتوں کو دیکھ کر تعریف کے پل باندھ دیتا ہے۔ "کیا خوب جوتا خریدا ہے! کتنے میں خریدا ہے؟" وہ کہتا ہے "۲۰ روپے میں خریدا ہے اور پھر بھی دوکاندار نے یہ کہکر دیا ہے کہ بابو جی سستا ہے!!"

دوسرا متعجب ہو کر کہتا ہے "آجکل جوتے خریدنے کی ہمت!!"

وہ فخر کرتا ہوا جواب دیتا ہے "ہاں صاحب! سوچا کہ گیہوں تو جمع ہی ہیں، جوتا ہی خرید لیا جاوے"

مگر میں جوتا کیسے خریدوں۔ ایک تو میری عادت نہیں کہ میں گیہوں جمع کر کے رکھوں اور دوسرے آجکل خطرناک بھی ہے مجھے ہر ہفتہ گیہوں لانا پڑتا ہے اور اس لئے کسی ماہ بھی جوتے لانے کے لئے گیہوں نہیں بچا سکتا!! — خیر! — میری یہ بھی عادت نہیں کہ ایک ٹانگ کے اوپر دوسری ٹانگ رکھ کر کرسی پر بیٹھوں کیونکہ اس طرح بیٹھنا بدتمیزی ہے۔ اور پھر اس طرح بیٹھنے سے گھسے ہوئے سوراخ دار جوتوں کے تلے بھی نظر آجاتے ہیں۔

ایک بات ضرور شرمناک ہے جس کو میں نہیں چھپا سکتا۔ میرے جوتوں کی ایڑی ایک طرف سے اتنی گھس گئی ہے کہ معلوم

باب الاستفسار

مسلم لیگ اور ہندو مسلم اتحاد

(جناب ام - لے، صمد ملک - جہان آباد - گیا)

آپ کے ملاحظات جو 'نگار' میں ماہ مئی ۴۴ء شایع ہوئے ہیں بغور اور نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھے - آپ کی ہستی واقعی ہندوستان کے لئے ایک مایۂ ناز ہستی ہے - اُردو کی جو جو آپ نے بیش قیمت خدمتیں کی ہیں ان سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا - لیکن جہاں تک آپ کے خیالات کا تعلق ہے، ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آپ کے خیالات کو زیادہ تر لوگ ناپسند کرتے ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات آپ کو ناگوار معلوم ہو لیکن چونکہ ہم بدقسمتی سے ذرا صاف گو واقع ہوئے ہیں، اس لئے اپنے خیال کو صاف صاف ظاہر کر دیا - امید ہے کہ آپ میری اس گستاخی کو معاف فرمائیں گے -

آپ کے مضمون سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کے لئے مذہب کو نظر انداز کر دینا بہتر سمجھتے ہیں - کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خیال آپ کے دماغ میں کیونکر آیا - مشکل یہ ہے کہ آپ صوبۂ بہار کے باشندہ ہی نہیں ورنہ پتہ چل جاتا کہ واقعی ہنود، مسلمانوں کے کبھی سچے دوست نہیں ہو سکتے ہیں - آپ تو اتحاد کے لئے اس قدر ایثار کرنے کو طیار ہیں - لیکن شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ہنود اپنے مذہب کو اتحاد کے قربانگاہ پر چڑھانے کے لئے کبھی بھی طیار نہیں ہو سکتے - جب یہ بات مسلم ہے، تو پھر آپ اپنا مذہب ہنود کے لئے نیست و نابود کرنے پر کیوں طیار ہیں! ہنود تو چاہتے ہی ہیں کہ اسلام کا خاتمہ ہو جائے - اگر آپ بھی ان کا ساتھ دیر یجے گا، تب تو اسلام کا کام ہی تمام ہو جائے گا -

شاید آپ کو معلوم نہیں کہ پاکستان اسکیم کا دوسرا نام لاہور رزولیوشن ہے اور یہی وہ نام ہے جس کو مسلم لیگ کانفرنس میں لوگوں نے عام طریقہ سے پسند کیا تھا - اس تجویز کا نام 'پاکستان' ہنود کا رکھا ہوا ہے - جو خود ہی مسلمانوں کی آبادی کے علاوہ اپنی آبادی کو ناپاک سمجھے اس کو آپ کہاں تک روک سکتے ہیں — ہمارے اس خط کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ہمدردی مسلمانوں کے ساتھ ہونی چاہئے - آپ کے پرچے کے پڑھنے والے زیادہ تر مسلم لیگی ہیں - اگر یہ لوگ آپ سے رنج ہو گئے، تو آپ کے پرچے کا کیا حشر ہوگا، آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں — امید ہے کہ جواب دیکر ممنون و مشکور فرمائیں گے -

---

(نگار) مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ "صاف گو" ہیں لیکن اگر آپ اسی حد تک "راست گو" بھی ہوتے، تو

اور زیادہ مسرت ہوتی۔

میں نے مئی کے ملاحظات میں کب یہ مشورہ دیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے "ترک مذہب" جائز یا ضروری ہے، حالانکہ اگر میں ایسا کہتا تو بھی غلط نہ ہوتا کیونکہ "مذہب اسلام" تو فی الحقیقت اسی وقت رخصت ہو چکا تھا، جب رسول اللہ کی رحلت کے بعد قدیم قبایلی مخالفت کے آثار عرب میں شروع ہوئے اور بنو امیہ کے عہد میں "مذہب اسلام" کی جگہ کھلم کھلا "حکومتِ اسلام" نے لیلی۔ پھر اب کہ نہ مذہب ہے نہ حکومت نہ مذہب و حکومت کے نام سے کسی قسم کا اثر و اقتدار آپ کے پاس وہ کونسی چیز ہے، جس کے ترک کا مشورہ دوں گا

ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے — کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

ہاں، آپ کا ایک کلچر ضرور قایم ہو گیا ہے، سو وہ بھی آپ کی حکومت و اقتدار کے زمانہ کی یادگار ہے، حد درجہ مسرفانہ اور بے انتہا ناعاقبت اندیشانہ اور اب اس کا وزن برداشت کرنے کی آپ میں تاب نہیں۔ لیکن خیر، اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم مان لیں کہ "مذہب اسلام" اسی ظاہر داری، اسی واہمہ پرستی اور اسی سطح اندیشی کا نام ہے جو آجکل نظر آتی ہے، تو بھی ہندو مسلم اتحاد کے لئے میں نے اس کے ترک کرنے کا کبھی مشورہ نہیں دیا۔ آپ دن میں ہزار بار اذان دیجئے اور لاکھ بار نمازیں پڑھئے، کوئی منع نہیں کرتا، لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اذان کی آواز ایک خشک و تشنہ حلقوم ہی سے نکلنے کے بعد عرش معلّٰی تک پہونچ سکتی ہے، اگر آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ صرف وہی نماز بارگاہِ قدس میں باریاب ہو سکتی ہے، جو ایک فاقہ زدہ اور خراب و خستہ انسان کی طرف سے پیش کی جائے، تو بیشک میں اس کی مخالفت کروں گا، کیونکہ میری رائے میں اسلام کی اس سے زیادہ توہین اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس کا ماننے والا دنیا میں ذلیل و تباہ نظر آئے۔

میں نے مئی کے ملاحظات میں یہ عرض کیا تھا کہ اصل چیز ملک کی آزادی ہے اور وہ اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب "وطنیت" پر اس کی بنیاد قایم کیجائے، کیونکہ "مذہبیت" اس باب میں ناکام ہو چکی ہے، لیکن اس کے یہ معنے تو نہیں کہ آپ نماز روزہ چھوڑ دیں جو آپ کے نزدیک عین اسلام ہے اور ایک حد تک بے ضرر بھی اگر آپ صدائے ناقوس سن کر پیشانی پر بل لے آنا فریضۂ مذہبی نہ قرار دیں!

میں مانتا ہوں کہ ہندو مسلم تعلقات اب اس قدر خراب ہو گئے ہیں کہ ان کی اصلاح بظاہر بہت دشوار نظر آتی ہے۔ اسی کے ساتھ میں اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ ہندوؤں نے حکومت کانگرس کے زمانہ میں نہ صرف صوبۂ بہار بلکہ یو۔پی اور سی۔پی میں بھی مسلمانوں پر بعض نامناسب زیادتیاں کیں — لیکن باایں ہمہ یہ بات کبھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ یہ چیز آزادی ملک کی راہ میں کیوں حایل ہو اور مسلمان اس خوف سے کہ آزاد ہونے کے بعد ہندو اُن پر اور زیادہ مظالم کریں گے، غیر ملکی حکومت کی غلامی کو کیوں گوارا کرتے رہیں۔

آپ فرمائیں گے کہ مسلمان خود ملک کی آزادی چاہتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اُن کا پاکستان، ملک کے دوسرے ملکوں سے علٰحدہ کر دیا جائے، تاکہ وہاں وہ اپنی آزاد حکومت قایم کر سکیں جس کا نام انھوں نے حکومت الٰہیہ رکھا ہے یہ خیال بُرا نہیں، لیکن ناقابل عمل ضرور ہے اور ان سب پر بحث ہو چکی ہے۔

اگر آج پنجاب، صوبۂ سرحد، اور سندھ کا پورا ٹکڑا پاکستان کے نام سے علٰحدہ کر دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ آیندہ وہ

اس خطرہ سے کب آزاد ہو سکتا ہے، کہ ہندو چڑھائی کر کے پھر اپنے قبضہ میں لے آئیں گے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو کیا سیاسی صنعتی، تجارتی و اقتصادی حیثیت سے وہ کوئی ایسی کفیل بالذات حکومت بن سکتا ہے، جو ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بالکل بے نیاز ہو جائے ——— یہی وہ چیز تھی جس کی بناء پر محمد علی جینا کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ برطانیہ انھیں پاکستان بھی دے اور پاکستان قایم رہنے کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے۔ اس سے زیادہ مختصر خواہش اور اس سے بہتر تدبیر حصول پاکستان کی اور کیا ہو سکتی تھی سچ ہے:

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم تو فارغ ہوئے شتابی سے

آپ نے لفظ پاکستان کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ یہ خود ہندوؤں کا بخشا ہوا لقب ہے۔ میں اس کے ماننے کے لئے طیار نہیں، لیکن اگر صحیح ہو تو بھی اس کا کیا جواب ہے کہ اس وقت تک کسی رکن مسلم لیگ نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ اس بات کا اعلان کر دیتے اور قاید اعظم کے دفتر قیادت سے ایک فرمان جاری ہو جاتا کہ آیندہ مسلم لیگ کے لٹریچر میں اور مسلم لیگیوں کی زبان پر یہ لفظ کبھی نہ آئے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا اور یہ داغ ہمیشہ کے لئے ان پر قایم ہو گیا کہ اس نام کے اختیار کرنے میں، اس ذلیل ذہنیت کو پیش کیا جسے ——— Inferiority Complex میں مبتلا ہونے پر قوموں نے ہمیشہ پیش کیا ہے۔

مُسلمان کیا کریں

(جناب عبدالواحد صاحب۔ مٹیا برج کلکتہ)

"مسلمان کیا کریں" اس موضوع پر کافی بحثیں ہو چکی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب یہ موضوع اتنا پامال ہو گیا کہ اس پر غور و فکر ضروری نہیں۔ مسئلہ جتنا اہم ہوتا ہے، اتنا ہی اس پر نقد و تبصرہ کرنا ضروری ہے۔ چند باتیں غور طلب ہیں۔

مسلمان اگر ایک پلیٹ فارم پر آجائیں تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ مسلم لیگ اگر مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت تسلیم نہیں کیجا سکتی تو کم از کم اتنا تو ضرور ماننا پڑے گا کہ مسلمان اکثریت مسلم لیگ میں شامل ہے۔ لہذا یہ مسلم لیگ ہی کا پلیٹ فارم ہے جہاں ہندوستان کے سارے مسلمان متحد ہو سکتے ہیں۔ رہا سوال مسلم لیگ کی بے عملی، سرکار پرستی، اور ذاتی بغض و عناد کا۔ تو ظاہر ہے، آزادی پسند اور بے لوث عمل مسلمان سے جب تک مسلم لیگ خالی ہے، ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان کانگریس کے پلیٹ فارم پر اس طرح آگر چھا جائیں کہ ہندوؤں کو ظلم کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا جائے، اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے، عملی مسلمان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اس طرح آکر چھا جائے کہ اس کی بے عملی کا خاتمہ ہو جائے۔ مسلم لیگ جیسی بھی ہے، جو کچھ ہے۔ مسلم اکثریت اس کے ساتھ ہے اور ظاہر ہے، اکثریت خواہ جتنی بھی گمراہ ہو، چھوڑی نہیں جا سکتی۔ سوال اس کا نہیں ہے کہ

چند مسلمان آزادی اور وطن کی خاطر قربانیاں پیش کرکے، اپنا نام روشن کرلیں۔ سوال پوری مسلم قوم کا ہے اور اس کی اصلاح اسی طرح ممکن ہے کہ مسلم اکثریت صحیح راستہ پر لگ جائے۔ ظاہر ہے مسلمان مسلم لیگ سے باہر رہ کر مسلم لیگ کو راستہ دکھانے کا مستحق نہیں اور نہ اس کی بات پر کوئی لیگی کان دھرنے لگا۔ جب صورت حال یہ ہے تو کیا یہ مستحسن نہیں کہ ہر ممکن طریقہ پر مسلمان کوشش کرے کہ سارے مسلمان مسلم لیگ میں آجائیں۔ سوال مسٹر جناح کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا بھی نہیں۔ سوال وہی مسلم قوم کا ہے۔ اور ظاہر ہے جہاں قوم کا سوال ہے، وہاں انفرادی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے، مسلم لیگ کا نصب العین غلط ہے، اس لئے اس کا ساتھ دینا بیکار ہے۔ خود غلط راستہ پر جارہی ہے، ظاہر ہے سب کو "کعبہ" پہونچانے کے بجائے "ترکستان" پہونچادے گی۔ اس اعتراض کو صحیح مان لیا جائے، تو بھی ہمیں "مسلم اکثریت" کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہئے۔ ہمیں "پھانس" نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اُسے نہ نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ پورا جسم فاسد ہوجائے گا۔ یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ مسلم لیگ اب ڈھائی نہیں جاسکتی۔ یہ مٹ نہیں سکتی، اُبھر رہی ہے، خواہ جس طرح اُبھرے — لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے۔

(۱) مسلم اکثریت اگر گمراہ ہے، تو اس کی اصلاح کی کیا صورت ہے۔

(۲) جو غیر لیگی مسلمان، مسلم لیگ کو نہیں مانتے۔ مسلم اکثریت کو بچانے کے لئے، ان کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

(۳) جو مسلمان مسلم لیگ میں ہیں اور مسلم لیگ سے خوش ہیں اور اصلاح چاہتے ہیں، انھیں کیا کرنا چاہئے۔

(۴) مسلمان کس طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوسکتے ہیں۔

نگار) صفحات ماسبق میں جو کچھ عرض کرچکا ہوں، اس میں اجمالاً آپ کے سوالوں کا جواب آچکا ہے، لیکن چونکہ بعض سوالات آپ نے نہایت صاف صاف کئے ہیں، اس لئے ان کا صاف صاف جواب دینا بھی ضروری ہے۔

۱- مسلم لیگ بیشک مسلم اکثریت کی نمایندہ ہے، لیکن کوئی شخص یا جماعت نمایندگی کے صحیح فرایض اس وقت تک انجام نہیں دے سکتی، جب تک وہ قوم کے لئے کوئی مفید لائحہ عمل متعین کرکے اس پر کاربند نہ ہو۔ افسوس ہے کہ مسلم لیگ نے اسوقت تک کوئی تعمیری پروگرام پیش نہیں کیا، اس وقت تک اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی دیوار کو اور زیادہ مستحکم کردیا اور اس طرح ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ کو زیادہ اُلجھن میں ڈالدیا۔

مسلمانوں کی دو حیثیتیں ہیں، ایک ہندوستانی ہونے کی، دوسری ہندوؤں سے علٰحدہ ایک دوسری قوم ہونے کی۔ اول حیثیت کے لحاظ سے ان کا فرض ہے کہ وہ ہندوؤں سے ملکر کام کریں اور دوسری حیثیت سے ان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی ترقی کے لئے جو مفید تدابیر مناسب سمجھیں ہندوؤں سے علٰحدہ عمل میں لائیں۔ لیکن اس وقت تک مسلم لیگ نے نہ یہ کیا نہ وہ۔

اس کو چاہئے کہ وہ آزادی کے مسئلہ میں بالکل غیر مشروط طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہوجائے اور تعمیری کے سلسلہ میں وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے ایک اقتصادی پروگرام طیار کرے اور جیسا کہ میں نے بارہا ظاہر کیا ہے اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے زکوٰۃ فنڈ کی تشکیل کرے اور غیر ضروری بلکہ ناجایز خیرات کا جو طریقہ (مختلف رسوم کے سلسلہ

میں) رواج پا گیا ہے، اسے دور کر کے ایک مرکزی بیت المال قائم کرے۔ اگر مسلمانوں کی آبادی سے اس فنڈ کے لئے فی کس اوسطاً کم از کم ایک روپیہ سالانہ بھی وصول ہو تو ۹ کروڑ کی رقم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اتنی بڑی رقم سے ہر سال سیکڑوں تعلیمی و صنعتی ادارے مسلمان بچوں کے لئے قائم ہو سکتے ہیں اور دس سال کے اندر قوم کی تعلیمی و اقتصادی حالت کچھ سے کچھ ہو سکتی ہے۔

اگر مسلم لیگ صرف ایک اسی مسئلہ کو سامنے رکھ کر جد و جہد کرتی تو اسوقت تک یہ تنظیم مکمل ہو جاتی اور قومی حیثیت سے مسلمانوں کی اہمیت اتنی بڑھ جاتی کہ شاید پاکستان کا مسئلہ بھی آسانی سے طے ہو جاتا۔

ہندوؤں کے ساتھ مل کر ملک کی آزادی چاہنے میں مسلم لیگ کو خوف ہے کہ ہندو اپنی اکثریت سے کام لیکر مسلمانوں کو اقتصادی نقصان پہونچائیں گے اور ان کی مذہبی آزادی میں خلل انداز ہوں گے۔ اس خوف کی اگر زیادہ وضاحت کیجائے تو دوسرے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ ہندو گائے کی قربانی بند کرا دیں گے۔

۲۔ اذان و نماز کے وقت وہ ناقوس بجائیں گے، جلوس نکالیں گے۔

۳۔ مسلمانوں کو ملازمتوں سے محروم کر دیں گے۔

ان کے علاوہ میری سمجھ میں اور کوئی بات نہیں آتی جس کا خوف ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ باتیں واقعی اتنی ہی اہم ہیں، جتنی سمجھی جاتی ہیں۔

اول تو یہ تمام اندیشے بالکل بے بنیاد ہیں لیکن اگر ہم ان کو صحیح سمجھ لیں تو بھی نہ ان سے مذہبی آزادی میں کوئی خلل پڑتا ہے اور نہ اقتصادی حیثیت سے کوئی نقصان پہونچ سکتا ہے۔

اول تو مذہب نام اذان و نماز کا نہیں، اور اگر ایسا ہو تو بھی جب تک ان سے آپ کو جبراً روکا نہ جائے، مذہبی خلل اندازی نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ہندو نماز یا اذان کے وقت ناقوس بجاتے ہیں یا اپنا کوئی جلوس نکالتے ہیں، تو آپ کو برہم ہونے کا کیا حق حاصل ہے جبکہ وہ اپنے ناقوس یا ارتھی کے وقت آپ کو اذان و نماز سے نہیں روکتے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ نماز و اذان میں کوئی ایسا ہنگامہ نہیں کہ کسی دوسرے کے مشاغل میں حرج واقع ہو اور ناقوس و ارتھی وغیرہ کا ہنگامہ یکسوئی میں خلل انداز ہوتا ہے۔ لیکن یہ "طلب یکسوئی" کا مطالبہ اخلاقاً تو صحیح ہو سکتا ہے، لیکن قانوناً نہیں اور اخلاقی مطالبہ ہمیشہ میل جول کے بعد ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ بگاڑ کے بعد۔

رہا سوال ملازمت کا، سو میں اس کو انتہائی خوش بختی سمجھوں گا اگر مسلمان ہمیشہ کے لئے نوکری سے محروم کر دئے جائیں، کیونکہ اس قوم کی پستی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ سوائے ملازمت کے کوئی دوسرا ذریعہ معاش کا وہ اختیار نہیں کرتی اور اس طرح تجارت کی طرف سے وہ بالکل بیگانہ ہو گئی ہے جو اسلام کا بتایا ہوا تنہا ذریعۂ معاش تھا

بہر حال ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ آزادی مکمل کے باب میں اپنی قسمت کا فیصلہ ہندوؤں سے علیحدہ نہ چاہیں، کیونکہ اس طرح مقصود کبھی حاصل نہ ہوگا اور یہ مسلمانوں کا کوئی بڑا اخلاقی کارنامہ نہ ہوگا کہ انھوں نے محض اپنی کمزوری اور خوف کی وجہ سے ملک کو آزادی سے محروم رکھا اور دوسری قوم کی راہ میں صرف اس لئے

حایل ہوئے کہ وہ خود اپنے لئے کوئی صحیح راہ قایم نہ کر سکے تھے۔

اب رہ گیا قوم ہونے کی حیثیت سے ان کا اپنے آپ کو منظم کرنا، سو یہ نہ صرف مستحسن بلکہ ضروری ہے اور مسلم لیگ کو یہی پہلو سامنے رکھ کر تنظیم کرنا چاہئے۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ہمارے رہنماؤں کا اولین فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی پستی کو دور کرنے کی کوشش کریں اور حکومت کی اعانت سے بالکل بے نیاز ہو کر کریں۔ اس کی بہترین تدبیر ایک تو وہی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا کہ مسلمانوں کا ایک بیت المال قایم ہونا چاہئے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کی خانہ شماری کر کے ہر شخص کی آمدنی معلوم کر لیجائے اور پھر اُن سے ایک مقررہ رقم ماہانہ یا سالانہ وصول کر کے شہر کے بیت المال میں جمع کی جائے، جس کی تنظیم ایک کمیٹی کے سپرد ہو، اور شہروں کی ان کمیٹیوں کی نگرانی صوبہ کے کسی صدر مقام کی کمیٹی کے سپرد ہو اور صوبوں کی کمیٹیاں ایک ایسی مرکزی کمیٹی کی نگرانی میں رہیں جو اس تمام نظام کی واحد ذمہ دار ہو۔

بیت المال قایم ہونے کے بعد دوسرا اہم سوال صرف کا ہے، سو اس کا تعلق شہر، صوبہ اور مرکز میں ہر جگہ ایک ایسی مجلس شوریٰ سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے تمام طبقات کی نمایندہ جماعت ہو اور بجائے انفرادی مصالح کے اجتماعی ضروریات کو سامنے رکھ کر خرچ کرے۔

بہر حال مسلمانوں کی فلاح اور اصلاح کے لئے میرے نزدیک سب سے پہلے ہمیں ان کی اقتصادی و تعلیمی حالت کو درست کرنا چاہئے اور اس کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی۔

اسی کے ساتھ دوسری کوشش یہ بھی ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو واہمہ پرستی اور بیجا قدامت پرستی سے بچایا جائے کیونکہ ان کی آمدنی کا بڑا حصہ اسی لغویت میں ضایع ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا جہاد مسرپرستی، قبر پرستی اور ملا پرستی کے خلاف کرنا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اول اول بہت دشواریاں پیش آئیں گی، لیکن نہ ایسی کہ ان کا دور ہونا عقلاً محال ہو۔

فلسفۂ مذہب

جس میں روایتی مذہب اسلام کی حقیقت کو ظاہر کر کے بتایا گیا ہے کہ اصل اسلام کیا ہے اور دنیا اب جس چیز کو اسلام سمجھ رہی ہے وہ اصل سے کتنا مختلف ہے۔ اس کتاب کا تعلق نگار کے اُس دور سے ہے جب اڈیٹر نگار کو اول اول کافر و ملحد قرار دیا گیا اور سارے ہندوستان میں ہل چل مچ گئی۔ مصنفہ سید مقبول حسین بی اے قیمت علاوہ محصول عہ۔ نگار بک ایجنسی لکھنؤ

تذکرۂ معرکۂ سخن

اپنی نوعیت کا بالکل پہلا تذکرہ جس میں تمام قدیم و جدید شعراء فارسی و اُردو کے کلام پر اعتراضات اور اُن کے جوابات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ محاکمہ بھی کیا گیا ہے جو اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بے بہا چیز ہے۔ مرتبہ آسی۔ قیمت علاوہ محصول تین روپیہ۔ نگار بک ایجنسی لکھنؤ